₹ 30/-

اکتوبر تا دسمبر ۲۰۱۱ء

انجمن طلبہ قدیم جامعۃ الفلاح کا ترجمان

سہ ماہی مجلہ

حیات نو

بلریا گنج

اللہ نور السموات والارض

انجمن طلبہ قدیم جامعۃ الفلاح کا ترجمان

اکتوبر تا دسمبر ۲۰۱۱ء

سہ ماہی مجلہ

حیاتِ نو

بلریا گنج

مدیر: انیس احمد مدنی

مجلس ادارت:

مشرف حسین صدیقی فلاحی	دہلی
مقبول احمد فلاحی	لکھنؤ
ڈاکٹر عبدالباری فلاحی	دہلی
مولانا محمد اسماعیل فلاحی	جامعۃ الفلاح

فی شمارہ	: اندرون ملک	۳۰ روپے
	بیرون ملک	۵ امریکی ڈالر
سالانہ زرتعاون	: اندرون ملک	۱۲۰ روپے
	بیرون ملک	۲۰ امریکی ڈالر
لائف ممبرشپ	: اندرون ملک	۳۰۰۰ روپے
	بیرون ملک	۲۰۰ امریکی ڈالر

- رجسٹرڈ ڈاک سے رسالہ منگانے کی صورت میں رجسٹری خرچ بذمہ خریدار ہوگا۔
- مقالہ نگار کی رائے سے ادارہ کا متفق ہونا ضروری نہیں ہے۔

نمائندے

لندن	:	رضوان احمد فلاحی
دہلی	:	نعیم احمد غازی فلاحی
علی گڑھ	:	ڈاکٹر ضیاء الدین ملک فلاحی
ممبئی	:	حافظ ادہم علی فلاحی
نیپال	:	نذر الحسن فلاحی
یو اے ای	:	خالد حسن رشید فلاحی
قطر	:	محمد اکرم فلاحی
کویت	:	محمد موکل فلاحی
سعودی عرب	:	انعام اللہ فلاحی

خط وکتابت کے پتے

- برائے ادارتی امور

انیس احمد مدنی، جامعۃ الفلاح، بلریا گنج
اعظم گڑھ (یوپی)

- برائے انتظامی امور وترسیل زر

عرفان احمد فلاحی جامعۃ الفلاح، بلریا گنج
اعظم گڑھ (یوپی)-276121
موبائل: 9453757380-91+
ای میل: hayatenau123@gmail.com

Composed by: **Mohd. Abuzer Azmi**
Azamgarh, Mob. 9580147500

Layout Designing & Title Designing: **sajidkhalil**@gmail.com Cell: +919999828273

فارغین جامعۃ الفلاح کے لیے خوش خبری

یہ اطلاع آپ کے لیے یقیناً مسرت کا باعث ہوگی کہ

انجمن طلبہ قدیم جامعۃ الفلاح

نے فارغین جامعہ کی علمی ترقی اور تربیت کے لیے مسابقہ برائے مقالہ نگاری کا فیصلہ کیا ہے۔

عنوانات برائے انعامی مقابلہ

"احیائے اسلام کی عالمی جدوجہد اور درپیش چیلنجز"

یا

"آزادی کے بعد ہندوستان کی اردو سیرت نگاری اور اسکے امتیازات"

اس مسابقہ میں جامعۃ الفلاح کے وہ فارغین، جنھوں نے عالمیت یا فضیلت کی سند حاصل کی ہو نیز درجہ فضیلت کے وہ طلبہ جنھوں نے عالمیت پاس کرلیا ہو شرکت کرسکتے ہیں۔

First Prize ₹ 20,000/-	بیس ہزار روپے	انعام اول
Second Prize ₹ 15,000/-	پندرہ ہزار روپے	انعام دوم
Third Prize ₹ 10,000/-	دس ہزار روپے	انعام سوم
5 Consolation Prizes ₹ 1,000/-	ایک ہزار روپے کے پانچ انعامات	تشجیعی انعام

رجسٹریشن کی آخری تاریخ	مقالہ جمع کرنے کی آخری تاریخ	نتائج کا اعلان
۳۰ر اگست ۲۰۱۱ء	۳۰ر اکتوبر ۲۰۱۱ء	۳۰ر نومبر ۲۰۱۱ء

نوٹ: مقالہ A4 سائز کے ٹائپ شدہ ۳۰ صفحات سے زیادہ نہ ہو۔

خط وکتابت کے لیے:

ڈاکٹر ضیاء الدین ملک فلاحی
شعبہ اسلامک اسٹڈیز علی گڑھ مسلم یونیورسٹی،
علی گڑھ، یوپی ۲۰۲۰۰۲

Dr. Ziauddin Malik Falahi
Deptt. of Islamic Studies
Aligarh Muslim University
Aligarh, (U.P.) 202002
Mobile: 09927206518
E-mail: labeebzia@yahoo.co.in

نقوشِ حیاتِ نو

اداریہ

سائنس وٹیکنالوجی میں مسلمانوں کی پسماندگی کے اسباب — انیس احمد مدنی — ۳

عظمت کے مینار

ربیع بن خثیم — افتخار الحسن مظہری — ۶

روشنی کا سفر

ہندوستان کی مشہور ہاکی کھلاڑی کا قبولِ اسلام — عفیفہ — ۱۱

بحث و نظر

اسکندریہ کا ایک روح پرور سفر — محمد بن موسیٰ الشریف — ۱۷

خواہشات کی پیروی۔نفس کی ایک اہم ترین آفت — عصمت عمر — ۲۰

شکر۔کس کا اور کیوں؟ — عبدالحمید بلالی — ۳۲

مجھے کتاب سے ممکن نہیں فراغ کہ تو — شاہنواز فاروقی — ۳۳

جدید مغربی نظریہ تعلیم (بیسویں صدی کے بعض اہم رجحانات کا مطالعہ) — ڈاکٹر عبید اللہ فہد فلاحی — ۳۷

مقالات

قرآنی اسالیبِ دعوت — مولانا مقبول احمد فلاحی — ۳۹

تاریخ سے متعلق علامہ عبدالحی فرنگی محلی کی کتابوں کا تعارف — ولی اللہ مجید قاسمی — ۴۸

حدیث کی تشریعی حیثیت — اعجاز احمد قاسمی — ۵۶

مذاہبِ عالم

صابئہ مندائیہ — ابوالقمر فلاحی — ۷۴

شعر و نغمہ

غزل — منور بن محبوب کراکت — ۷۸

فقہ و فتاویٰ

فقہ اکیڈمی کے اہم فیصلے — ۷۹

جامعہ کے لیل و نہار — عبدالرقیب فلاحی — ۷۷

روداد انجمن — رپورٹ طلبہ یا شیخ یونٹ — ۸۰

سائنس وٹیکنالوجی کے میدان میں
مسلمانوں کی پسماندگی کے اسباب اور اس کا علاج

انیس احمد فلاحی

علم وہ عظیم روشنی ہے جس سے ہر طرح کی تاریکیاں و ظلمتیں کافور ہو جاتی ہیں، یہ نہ صرف دلوں کی ہدایت و رجحانی کا ذریعہ ہے بلکہ دنیا و اسبابِ دنیا کے حصول کا راستہ بھی علم ہی ہے۔

اسلام جس کی پہلی وحی "اقرا" (پڑھ) کے زریں حکم کے ذریعہ ہوئی اور جس میں علم کی تحصیل کو فرض اور نفلی عبادات سے افضل قرار دیا گیا ہے، اس دین کے حاملین آج "علم" اور "العلم" دونوں کی روشنی سے کافی دور ناخواندگی کے وسیع سمندر میں ٹامک ٹوئیاں مار رہے ہیں۔ عالم اسلام آج سائنسی علوم اور ٹکنالوجی کے میدان میں یورپی اقوام سے کافی پیچھے ہی نہیں بلکہ نقالی بھی نہیں کر پا رہا ہے۔ اس کے اہم اسباب درج ذیل ہیں:

۱- خلافت اسلامیہ کا سقوط اور عالم اسلام کا پچاس سے زائد ملکوں میں منقسم ہونا، جس کی وجہ سے انسانی، طبیعی اور قدرتی وسائل و ذرائع کی بہتات اور کثرت کے باوجود بھی عالم اسلام آج فقر و غربت کی صورت حال سے دوچار ہے اور سائنس وٹیکنالوجی کے اعلیٰ ترین مراکز کے قیام سے عاجز و قاصر ہے۔

۲- مسلمانوں کے درمیان ناخواندگی کا عام ہونا۔ عالم اسلام میں عمومی طور پر ۵۸٪ افراد ناخواندہ ہیں اور ظاہر ہے وہ امت جو انسانی علوم و معارف کی بسیط اشیاء سے بھی ناواقف ہو وہ کسی عام میدان میں بھی تفوق و برتری نہیں حاصل کر سکتی ہے۔ سائنس وٹکنالوجی کے میدان میں تو بدرجہ اولیٰ کیونکہ اس میدان میں نقاد و اخاذ ذہنوں کے ساتھ، صبر و ہمت اور پیہم مشق و تدریب اور مسلسل عمل کرنے والی روشن عقلوں کی ضرورت پڑتی ہے۔

۳- عالم اسلام میں سائنسی علوم سے غفلت۔ سائنسی علوم پر مادہ پرستانہ ذہنیت اور خدا بیزار

لوگوں کے قبضہ کی بناء پر ان علوم سے ایسی لاپرواہی برتی جانے لگی کہ مبادا کہیں یہ ذہنیت ہمارے سماج میں بھی نہ در آئے۔

۴- عالم اسلام میں قائم جدید سائنسی مراکز و عصری درسگاہیں عموماً مغربی ممالک کے ماہرین و متخصصین پر اعتماد کرتی ہیں جو صلیبی اور یہودی ذہن رکھنے کی بناء پر ان اداروں میں ہونے والی تحقیقات کو انتہائی بلندیوں تک پہونچنے نہیں دینا چاہتیں، یہی نہیں بلکہ مغربی درسگاہوں سے فارغ وہ مفکرین جو جوہری میدانوں میں دسترس رکھتے ہیں اور اپنی قوم وملت کی خدمت کرنا چاہتے ہیں انھیں موساد اور اس جیسی دوسری تخریب کار قوتوں کے ذریعہ قتل کرادیا جاتا ہے تاکہ یہ پسماندگی باقی رہے۔

ان مادی اسباب و وسائل کے علاوہ بعض معنوی اسباب بھی اس راہ میں حائل ہیں، جیسے اسلام کے ہمہ گیر ضابطہ حیات ہونے کا فقدان، انسانیت کے پیغام کا عدم شعور، اسلامی اخوت اور بھائی چارگی کا خاتمہ، جس کی وجہ سے عالم اسلام میں مختلف علاقائی، نسلی اور سیاسی عصبیتیں جاگ اٹھیں ہیں بعض یونیورسٹیاں جو کافی مالدار ہیں وہ اپنے روپے فضول خرچیوں میں لگا رہی ہیں جبکہ ان کے پڑوس میں متعدد یونیورسٹیاں جانکنی کے عالم میں وجود و بقاء کی لڑائی لڑنے میں مصروف ہیں۔

اس طرح جدید تعلیم یافتہ طبقہ سواد اعظم کی ناخواندگی کے تئیں غفلت اور بے توجہی کا رویہ اختیار کئے ہوئے ہے جس کی وجہ سے ایک چراغ سے ہزاروں چراغ جلتے ہیں کہاوت پوری نہیں ہو پارہی ہے۔

عالم اسلام کے پاس مادی ذرائع و وسائل کی بہتات ہے۔ خشک زمین کا ایک چوتھائی حصہ اس کے قبضے میں ہے، متعدد سمندروں سے اس کی سرحدیں ملتی ہیں: بحر اٹلانٹک، بحر ہادی، بحر ہند، بحر ابیض، بحر احمر، بحر اسود، بعض سمندری گزرگاہیں تو خالص اسلامی تصور کی جاتی ہیں جیسے بحر احمر، خلیج عربی، بحر عمان، بحر عربی، بحر مرمرۃ، نہر سویز۔ حیوانی، زرعی اور معدنیاتی لحاظ سے بھی وہ مالا مال ہے، تحقیقی مراکز کی بھی کمی نہیں: ۲۲۴ یونیورسٹیاں، ۳۳۵ علمی مراکز اور ۹۰۰ سے زائد تحقیقی مراکز اس کے پاس ہیں، یہ وسائل علمی و سائنسی ترقی کے لئے کافی ہیں، لیکن ان وسائل کے منتشر ہونے کی بناء پر ہم ان سے کما حقہ فائدہ نہیں اٹھا پا رہے ہیں، اگر ہم سائنس و ٹیکنالوجی کے میدان میں سبقت چاہتے ہیں تو ان وسائل کو منظم و مربوط کرکے جدوجہد کریں۔ جرمنی اور جاپان جو دوسری جنگ عظیم کے موقع پر بالکل تباہ ہوگئے تھے ان کی ترقی ہمارے لئے مشعل راہ ہے، ہندو چین اور

جنوبی کوریا نے سائنسی علوم اور ٹیکنالوجی کے میدان میں ابھی حالیہ برسوں میں جو ترقی کی ہے وہ ہمیں مہمیز لگانے کے لئے کافی ہیں۔

سائنسی علوم اور ٹیکنالوجی کے میدان میں عالم اسلام کی ترقی انسانیت کی تعمیر، اخلاقی قدروں کی ترویج اور اخوت و بھائی چارگی کو عام کرنے میں کافی معاون و مددگار ہوگی اور اگر مسلمان علمی و تحقیقی میدانوں میں اتحاد و یکجہتی نہیں قائم کر پارہے ہیں تو پھر انھیں چاہئے کہ اس پسماندگی سے نکلنے کے لئے وہ اپنی تمام قوتوں کو مجتمع کرکے نور الٰہی جس کے وہ حامل و امین بنائے گئے ہیں اسے ابنائے عالم تک پہنچا دیں اور اگر یہ روشنی پہنچانے میں وہ کامیاب ہوگئے تو دنیا ایک بار پھر یہ منظر دیکھے گی۔

ہے عیاں یورش تاتار کے افسانے سے
پاسباں مل گئے کعبہ کو صنم خانے سے

اس موقع پر مشہور مفکر ڈاکٹر ایرنچ (تمسی یونیورسٹی امریکہ کے پروفیسر) کا وہ خطبہ یاد آرہا ہے جو آپ نے برطانیہ کے شہر میں مسلمانوں کے ایک مجمع سے خطاب کرتے ہوئے دیا تھا:

"یقیناً تم لوگ اس بات کی استطاعت نہیں رکھتے کہ بڑی عالمی طاقتوں کا علمی یا ٹیکنالوجی یا اقتصادی یا سیاسی یا عسکری اعتبار سے مقابلہ کرسکو، لیکن تم لوگ اس بات کی استطاعت ضرور رکھتے ہو کہ ان حکومتوں کو اسلام کے ذریعہ اپنے آگے گھٹنوں کے بل جھکا سکو، اپنے پاس موجود اسلام کی اس عظیم روشنی کی قدر و قیمت کا احساس کرتے ہوئے اپنی غفلت سے ہوش میں آؤ جسے پانے کے لئے مشرق و مغرب کی روحیں مضطرب و بے چین ہیں، اسلام سیکھو، اپنی زندگیوں میں انھیں نافذ کرو اور اسے دوسروں تک پہنچاؤ تو تمہارے سامنے پوری دنیا کھل جائے گی اور ہر صاحب اقتدار تمہارے سامنے جھک جائے گا۔ مجھے چالیس نوجوان ایسے دے دو جو اس دین کا گہرا علم رکھتے ہوں اور اپنی زندگیوں میں اس کو باریک بینی سے نافذ کئے ہوں اور جو عصر حاضر کی زبانوں اور اسلوبوں میں اسے پیش کرنے کا سلیقہ جانتے ہوں تو میں ان کے ذریعہ دونوں امریکہ فتح کرلوں گا۔"

☆☆☆

ربیع بن خثیمؒ

افتخار الحسن مظہری☆

عبداللہ بن مسعودؓ کے شاگرد، شاگردوں میں سب سے زیادہ تقویٰ شعار و پاکباز۔ عبداللہ بن مسعودؓ نے ان سے فرمایا کہ اگر رسول اکرم ﷺ تم کو دیکھتے تو تم سے محبت کرتے، میں نے جب بھی تم کو دیکھا اللہ والوں کی یاد آگئی۔ (سیر اعلام النبلاء: ۴-۲۵۸)

اعضاء کی حفاظت

انسان کے اعضاء اس کے دل کے تابع ہوتے ہیں۔ اس لئے تابعین کرام اعضاء کی حفاظت کا بڑا خیال رکھتے تھے اور نفس کی تربیت میں اس کی دیکھ بھال کو بڑی اہمیت دیتے تھے۔ تا کہ اس کے اثرات دل پر نہ منعکس ہوں۔ اسی لئے حضرت ربیعؒ اپنے اعضاء کی حفاظت سے کبھی غافل نہ ہوتے۔ ایک بار کچھ خواتین مسجد میں آگئیں۔ جب تک وہ مسجد میں رہیں، آپ نے اپنی نگاہ نہ اٹھائی، مسلسل سر جھکائے بیٹھے رہے تا کہ نفس کی تہذیب و تربیت کے نتیجہ میں جو ایمانی کیفیت حاصل ہوئی ہے وہ نگاہ کی لغزش سے ضائع نہ ہو جائے اور ذہن و دماغ میں آخرت کی جو تصویر جمی ہوئی ہے، اس پر کوئی دوسری تصویر جمال غالب نہ آجائے۔

انسان کسی کی معیت میں چند دن رہے تو اس کی کمزوریوں، خامیوں اور عیوب سے واقف ہو جاتا ہے۔ اگر یہ معیت سفر کے دوران ہو تو ہفتہ عشرہ میں انسان کے تمام عیوب اس کی نگاہ کے سامنے بے پردہ ہو جاتے ہیں۔ ورنہ عام حالات میں زیادہ سے زیادہ دو ماہ میں اس کے تمام عیوب آشکارا ہو جاتے ہیں۔ لیکن کتنی عظمت کی بات ہے کہ تابعین کے ساتھ سفر و حضر میں بیسیوں سال رہنے کے بعد بھی ان کا کوئی عیب نظر نہ آیا۔ حضرت ابراہیم تیمی سے منقول ہے کہ ربیع بن خثیم کا ایک شاگرد ان کے ساتھ بیس سال تک سفر و حضر میں رہا۔ اس نے بتایا کہ آج تک کوئی معیوب بات میں نے ان کے منھ سے نہ سنی۔ (طبقات ابن سعد: ۱۸۵/۶)

☆ استاذ حدیث وفقہ جامعۃ الفلاح

یہ کس تربیت کا نتیجہ تھا کہ زبان پر ایسا کنٹرول قائم ہوا کہ بیس سال کی طویل مدت میں ایک لفظ بھی زبان سے ایسا نہ نکلا جو معیوب ہو۔ صرف یہی نہیں کہ دوسروں پر ان کا کوئی عیب ظاہر ہوا بلکہ خود اپنی نگاہ میں وہ بالکل بے عیب تھے کیونکہ ان کا ظاہر و باطن دونوں یکساں شفاف تھا۔ وہ فرماتے ہیں کہ باطن کے عیوب لوگوں پر ظاہر نہیں ہوتے لیکن اللہ پر عیاں ہوتے ہیں۔

(طبقات ابن سعد: ۱۸۶/۶)

تزکیہ نفس کا اہتمام

ربیع بن خثیم اپنے نفس کے تزکیہ کا اس قدر اہتمام کرتے کہ ان کو اس بات کا موقع ہی نہ ملتا کہ دوسروں کے عیب پر نظر ڈالیں۔ سچ کہا گیا ہے کہ اگر اپنے عیوب پر لوگوں کی نگاہیں رہیں تو دوسروں کا کوئی عیب انھیں نظر نہ آئے۔ ان سے ایک بار کہا گیا کہ آپ لوگوں کی کبھی کوئی برائی نہیں کرتے۔ انھوں نے فرمایا: بخدا میں خود کو ہی اچھا نہیں سمجھتا تو دوسروں کی کیا برائی کروں۔ کتنی عجیب بات ہے کہ انسان دوسروں کے گناہ پر اللہ سے ڈرتا ہے لیکن اپنے گناہ پر اللہ سے خوف نہیں کھاتا۔

(طبقات ابن سعد: ۱۸۶/۶)

تدبر کی تربیت

وہ قرآن پڑھتے تو سمجھتے کہ قرآن ان کے قلب پر نازل ہو رہا ہے اور وہی اس کے براہِ راست مخاطب ہیں۔ رات میں ایک دفعہ تہجد کی نماز کے دوران یہ آیت آئی "اَمْ حَسِبَ الَّذِيْنَ اجْتَرَحُوا السَّيِّاٰتِ اَنْ نَّجْعَلَهُمْ كَالَّذِيْنَ اٰمَنُوْا وَ عَمِلُوا الصّٰلِحٰتِ سَوَآءً مَّحْيَاهُمْ وَ مَمَاتُهُمْ سَآءَ مَا يَحْكُمُوْنَ" تو ان پر ایسی کیفیت طاری ہوئی کہ صبح تک نماز میں اسی آیت کو دہراتے رہ گئے۔ (طبقات ابن سعد: ۱۸۶/۶)

اس آیت پر پہنچے تو شدید گریہ کی وجہ سے اس سے آگے نہ بڑھ سکے۔ (الزھد لاحمد: ۳۲۹)

عدم انتقام کی تربیت

تربیت کے اس اصول پر بھی تابعین ہمیشہ کاربند رہے اور اس کی بڑی سختی سے پابندی کرتے رہے کہ غصہ نہ کیا جائے اور کیا جائے تو صرف اللہ واسطے کیا جائے۔ کیونکہ ان کے سینوں میں

جو دل تھا انھوں نے اسے بالکل صاف وشفاف بنالیا تھا۔ اس میں ماسوا اللہ جو کچھ بھی تھا اسے باہر نکال پھینکا تھا۔ اس لئے ذاتی طور پر کچھ بھی ہو جائے یا کتنی ہی تذلیل ہو جائے، غصہ ان پر سوار نہیں ہوتا تھا۔ ایک بار کا واقعہ ہے کہ ربیع بن خثیم مسجد میں بیٹھے تھے، لوگ نماز کے لئے کھڑے ہوئے تو ایک آدمی نے پیچھے سے کہا کہ آگے بڑھیے، وہاں آگے بڑھنے کی گنجائش تھی نہیں، آدمی نے ان کی گردن پکڑ کے اینٹھ دی۔ حضرت ربیع نے دیکھا تو کہا اللہ تجھ پر رحم فرمائے، اللہ تجھ پر رحم فرمائے۔ پھر آدمی نے ان کو پہچانا تو رونے لگا۔ (طبقات ابن سعد: ۱۸۷/۶)

جو انسان لوگوں میں شہرت وعزت کا مقام رکھتا ہو اس کی اس طرح توہین ہو تو انتقام کے لئے بھڑک اٹھتا ہے۔ فطری امر ہے۔ لیکن ربیع بن خثیم نے اس کے برعکس زیادتی کرنے والے کو رحمت کی دعا دی، دو مرتبہ۔ اخلاق کی اس عظمت کا زیادتی کرنے والے کو احساس ہوا تو رو پڑا۔

ایک بار ان کا گھوڑا چوری ہو گیا۔ جو اس وقت کی انتہائی بڑی قیمتی سواری تھا۔ اہل مجلس نے کہا چور کے لئے بددعا کر دیجئے۔ آپ نے فرمایا: نہیں، میں اس کے لئے دعا کروں گا۔ اگر وہ مالدار ہو تو اللہ اس کے دل کو راستبازی عطا کرے، اور اگر محتاج وضرورت مند ہو تو اس کو مالدار کر دے۔ (الزھد لاحمد: ۳۳۲)

آخرت کا تابعین پر ایسا غلبہ تھا کہ دنیاوی امور کے لئے ان کے دلوں میں کوئی جگہ نہیں تھی۔ ان کو کوئی غم تھا تو آخرت کا، کوئی خوشی تھی تو آخرت کی، دنیا کی ان کی نگاہ میں کوئی وقعت نہیں تھی۔ ایک بار کسی نے ان سے پوچھا: رات کیسی گزری، صبح کس حال میں ہوئی؟ فرمایا: ناتوانی و گنہگاری کے حال میں اپنا رزق کھاتے ہیں۔ اپنی موت کا انتظار کرتے ہیں۔ غرض تابعین کے نزدیک کسی چیز کی اہمیت تھی تو آخرت کی۔ اس لئے دنیاوی معاملات وامور میں انہماک کو وہ وقت کا ضیاع سمجھتے تھے۔ ان کے بیٹے بیان کرتے ہیں کہ ربیع بن خثیم جب بھی دنیاوی معاملات کی کوئی بات کرتے تو آخرت کی بھی کوئی بات ضرور کرتے۔

اللہ کا ڈر

ایام طفولیت میں ربیع بن خثیم کی عبادت گزاری کا یہ حال تھا کہ قیام لیل کی کثرت سے ان کی ماں کو تشویش ہونے لگتی۔ وہ کہتیں کہ: اے ربیع! کیا رات بھر جاگتے ہی رہو گے؟ اب سو جاؤ۔ وہ کہتے: ماں! جس کو اپنی برائیوں کا ڈر ہو اور گناہوں کا خوف ہو رات کے اندھیرے میں وہ کیسے سو سکتا

ہے؟ پھر جب بالغ ہوئے اور ماں ان کی شب بیداری اور گریہ ہائے نیم شبی کی کیفیت دیکھتیں تو ان کو بڑا ترس آتا۔ کہتیں کہ بیٹے! تم پوری پوری رات رو رو کے گزارتے ہو، کسی کا قتل کیا ہے کیا؟ وہ بولتے: ہاں، میں ایک مقتول کا قاتل ہوں۔ وہ پوچھتیں: بیٹا! وہ کون ہے؟ بتاؤ، ہم اس کے گھر والوں کے پاس جا کر تمہاری معافی کی التجا کریں گے۔ اگر ان کو تمہارے رات بھر نہ سونے اور مسلسل روتے رہنے کی بات سنائیں گے تو وہ ضرور تم پر رحم کریں گے۔ وہ کہتے: ماں! میں اپنے نفس کا قاتل ہوں۔ (الزھد لاحمد: ۳۳۰)

تابعین ہمیشہ اسی طرح نفس سے برسرپیکار رہتے، نفس ان کو برائی کی طرف بزور کھینچنا چاہتا، وہ بزور اس کو نیکی کی طرف کھینچتے۔ نفس سے مسلسل کشمکش جاری رہتی تا کہ نفس پورے طور پر خیر و صلاح کا مشتاق وخوگر ہو جائے۔

ربیع بن خثیم کے گریہ شب اور رات بھر جاگنے کا حال ان کے سارے گھر والے جانتے تھے۔ ان کی بچی بھی ان کی ریاضت دیکھ کر تڑپ جاتی۔ کہتی: ابو! سبھی لوگ سوتے ہیں، آپ کیوں نہیں سوتے؟ وہ کہتے: بیٹی! مجھے اپنے گناہوں کا خوف ہے، کیسے سوؤں؟! (الزھد لاحمد: ۳۳۷)

محاسبہ نفس کی نادر مثال

جب انسان عبادت و ریاضت کے ذریعہ اللہ کا قرب حاصل کر لیتا اور تعلق باللہ کی ایمانی کیفیت ولذت پا لیتا ہے تو عموماً خود پسندی اور ناز میں مبتلا ہو جاتا ہے۔ ربیع بن خثیم نفس کی یہ چوری بھی پکڑ لیتے تھے اور اس کی اصلاح کے لئے کہتے کہ:

جن پاکبازوں کی صحبت میں تو رہا ہے ان کو دیکھ اور خود کو دیکھ۔ ان کے سامنے تو چور کٹ معلوم ہوتا ہے۔ (الزھد لاحمد: ۳۳۷)

نفس کا اتنی باریک بینی سے محاسبہ صرف خوف الٰہی کا نتیجہ ہے۔ ایک ایک بات، ایک ایک فعل میں یہ دھیان کہ کہیں اخلاص وللہیت سے اس کا رشتہ ٹوٹنے نہ پائے۔ اسی بات کی تلقین وہ اپنے شاگردوں کو بھی کیا کرتے تھے۔

تم یہ مت کہو کہ اللہ میں توبہ کرتا ہوں بلکہ یوں کہا کرو کہ اے اللہ میری توبہ قبول فرما کیونکہ اگر تم کہو کہ اے اللہ میں نے توبہ کی اور یہ کہنے کے بعد خدانخواستہ پھر گناہ ہو گیا تو تم اپنی توبہ میں جھوٹے ہو گے۔ (الزھد لاحمد: ۳۳۷)

ایک بار کا واقعہ ہے کہ اپنے شاگردوں میں بیٹھے ہوئے تھے۔ ان کی بچی آئی اور ان سے کھیلنے کی اجازت مانگنے لگی۔ انھوں نے کہا: بیٹی! جاؤ کلمۂ خیر کہو، بچی نے زیادہ اصرار کیا تو کچھ لوگوں نے کہا اسے تھوڑا کھیل لینے دیجئے۔ انھوں نے کہا: میں ہرگز یہ پسند نہیں کرتا کہ آج مرے نامہ اعمال میں یہ بات لکھی جائے کہ میں نے کھیل کا حکم دیا۔ (الزھد لاحمد: ۳۳۷)

رخصت کے بجائے عزیمت پر عمل

رخصت پر عمل کرنے کا موقع و محل طالب بھی وہ رخصت پر عمل کرنے کے بجائے عزیمت پر ہی عمل کرتے تھے تا کہ رخصت پر عمل کرتے رہنے سے دوسرے اوامر الٰہی سے بھی بے اعتنائی کا رجحان نفس میں جگہ نہ پا جائے۔ آخری عمر میں ان پر فالج کا حملہ ہوگیا۔ ان کو مسجد لے جایا جاتا رہا۔ لیکن اس میں کچھ دشواری ہوتی تھی۔ کہا گیا کہ رخصت پر عمل کرتے ہوئے گھر ہی میں نماز ادا کرلیں تو کوئی حرج نہیں کیونکہ آپ بیمار ہیں۔ انھوں نے کہا حی علی الفلاح کی آواز میرے کانوں میں آتی ہے تو کیسے اس پر لبیک نہ کہوں۔ (الزھد: ۳۳۹)

☆☆☆

گولڈن جبلی تقریبات سے متعلق دفتر کا قیام

جامعہ کے پچاس سال پورے ہونے پر گولڈن جبلی منانے کا جو فیصلہ کیا گیا ہے، اس کو بحسن وخوبی منعقد کرانے کے لئے ۲۶ ستمبر کو مہمان خانہ میں ایک آفس کا قیام عمل میں آیا۔ جس کا افتتاح ناظم جامعہ کے ہاتھوں انجام پایا۔ اس افتتاحی تقریب کا آغاز عبدالرقیب فلاحی کی تلاوت قرآن پاک سے ہوا، گولڈن جبلی تقریبات کے آرگنائزر مولانا مقبول احمد فلاحی نے ناظم جامعہ کا شکریہ ادا کیا۔ اس تقریب کے موقع پر صدر انجمن طلباء قدیم کے علاوہ دیگر ذمہ داران جامعہ، اساتذہ اور کارکنان بھی موجود تھے۔

ہندوستان کی مشہور ہاکی کھلاڑی کا قبول اسلام

عفیفہ

سوال: ابھی (مولانا کلیم صاحب) نے ہمیں بتایا تھا کہ ہندوستان کی ایک ہاکی کھلاڑی آرہی ہیں تو ہم سوچ رہے تھے کہ آپ ہاکی کی ڈریس میں آئیں گی، مگر آپ ماشاء اللہ برقع میں ملبوس اور دستانے پہن کر مکمل پردہ میں ہیں، آپ اپنے گھر سے برقع اوڑھ کر کیسے آئی ہیں؟

جواب: میں الحمد للہ پچھلے دو ماہ سے سو فیصد شرعی پردہ میں رہتی ہوں۔

سوال: ابھی آپ کے گھر میں تو کوئی مسلمان نہیں ہوا؟

جواب: نہیں میرے گھر میں ابھی میرے علاوہ کوئی مسلمان نہیں ہے مگر اس کے باوجود میں الحمد للہ کوشش کرتی ہوں کہ میں اگر چہ گھر میں اکیلی مسلمان ہوں مگر میں آدھی مسلمان تو نہ ہوں، آدھی ادھر آدھی اُدھر یہ تو نہ ہونا چاہیے۔

سوال: آپ کو ہاکی کھیلنے کا شوق کیسے پیدا ہوا، یہ تو بالکل مردوں کا کھیل ہے؟

جواب: اصل میں، میں ہریانہ کے سونی پت ضلع کے ایک گاؤں کی رہنے والی ہوں۔ ہمارے گھر میں بھی مرد پڑھے لکھے اور اکثر کبڈی کھیلتے رہتے ہیں۔ میں نے اسکول میں داخلہ لیا، شروع سے کلاس میں ٹاپ کرتی رہی۔ سی بی ایس ای بورڈ میں میری ہائی اسکول میں گیارہویں پوزیشن رہی۔ مجھے شروع سے مردوں سے آگے نکلنے کا شوق تھا۔ اس کے لئے میں نے اسکول میں ہاکی کھیلنا شروع کیا، پہلے ضلع میں نویں کلاس میں سلیکشن ہوا، پھر ہائی اسکول میں ہریانہ اسٹیٹ کے لئے لڑکیوں کی ٹیم میں میرا سلیکشن ہوگیا، بارہویں کلاس میں بھی میں نے اسکول ٹاپ کیا اور سی بی ایس ای بورڈ میں میرا نمبر اٹھارہواں رہا۔ اسی سال میں انڈیا ٹیم میں سلیکٹ ہوگئی، عورتوں کے ایشیاء کپ میں بھی کھیلی اور بہت سے ٹورنامنٹ میری کارکردگی کی وجہ سے جیتے گئے، اصل میں ہاکی میں بھی سب سے زیادہ ایکٹیو رول اسماہاکی! اسنٹر فارورڈ کھلاڑی کا ہوتا ہے یعنی سب سے آگے درمیان میں کھیلنے والے کھلاڑی کا، میں ہمیشہ سینٹر فارورڈ میں کھیلتی رہی، اصل میں بس مردوں سے آگے

بڑھنے کا جنون تھا مگر روزانہ رات کو میرا جسم مجھ سے شکایت کرتا تھا کہ یہ کھیل عورتوں کا نہیں ہے۔ مالک نے اپنی دنیا میں ہر ایک کے لئے الگ کام دیا ہے، ہاتھ پاؤں بالکل شل ہو جاتے تھے، مگر میرا جنون مجھے دوڑاتا تھا اور اس پر کامیابی اور واہ واہ اپنے نیچر کے خلاف دوڑنے پر مجبور کرتی تھی۔

سوال: اسلام قبول کرنے سے پہلے تو آپ کا نام پریتی (بدلا ہوا نام) تھا نا؟

جواب: حضرت نے میرا نام ابھی عفیفہ چند دن پہلے رکھا ہے۔

سوال: آپ کے والد کیا کرتے ہیں؟

جواب: وہ ایک اسکول چلاتے ہیں اس کے پرنسپل ہیں۔ وہ سی بی ایس ای بورڈ کا ایک اسکول چلاتے ہیں، میرے ایک بڑے بھائی اس میں پڑھاتے ہیں، میری بھابھی بھی پڑھاتی ہیں، وہ سب کھیل سے دلچسپی رکھتے ہیں، میری بھابھی بیڈمنٹن کی کھلاڑی ہیں۔

سوال: ایسے آزاد ماحول میں زندگی گذارنے کے بعد ایسے پردہ میں رہنا آپ کو کیسا لگتا ہے؟

جواب: انسان اپنے نیچر سے کتنا دور ہو جائے اور کتنے زمانہ تک دور رہے، جب وہ نیچر کی طرف پلٹے گا تو کبھی اجنبیت محسوس نہیں کرے گا، وہ ہمیشہ محسوس کرے گا کہ اپنے گھر لوٹ آیا۔ اللہ نے انسان کو بنایا اور عورتوں کا نیچر بالکل الگ بنایا، بنانے والے نے عورت کا نیچر چھپنے اور پردہ میں رہنے کا بنایا۔ اسے سکون وچین لوگوں کی ہوس بھری نگاہ سے بچے رہنے میں ہی مل سکتا ہے۔ اسلام دین فطرت ہے، جس کے سارے حکم انسانی نیچر سے میل کھاتے ہیں۔ مردوں کے لئے مردوں کے نیچر کی بات اور عورتوں کے لئے عورتوں کے نیچر کی بات۔

سوال: آپ کی عمر کتنی ہے؟

جواب: میری تاریخ پیدائش ۹ جنوری ۱۹۸۸ء ہے، گویا میں بائیس سال کی ہونے والی ہوں۔

سوال: مسلمان ہوئے کتنے دن ہوئے؟

جواب: ساڑھے چھ مہینے کے قریب ہوئے ہیں۔

سوال: آپ کے گھر میں آپ کے اتنے بڑے فیصلے پر مخالفت نہیں ہوئی؟

جواب: ہوئی اور خوب ہوئی مگر سب جانتے ہیں کہ عجیب دیوانی لڑکی ہے، جو فیصلہ کر لیتی ہے پھرتی نہیں، اس لئے شروع میں ذرا سختی کی مگر جب اندازہ ہو گیا کہ میں دور تک جا سکتی ہوں تو

سب موم ہو گئے۔

سوال: آپ ہاکی اب بھی کھیلتی ہیں؟

جواب: نہیں! اب ہاکی میں نے چھوڑ دی ہے۔

سوال: اس پر تو گھر والوں کو بہت ہی احساس ہوا ہوگا؟

جواب: ہاں ہوا مگر میرا فیصلہ مجھے لینے کا حق تھا میں نے لیا اور میں نے اپنے اللہ کا حکم سمجھ کر لیا، اب اللہ کے حکم کے آگے بندوں کی چاہت کیسے ٹھہر سکتی ہے۔

سوال: آپ کے تیور تو گھر والوں کو بہت سخت لگتے ہوں گے؟

جواب: آدمی کو ڈھل مل نہیں ہونا چاہئے، اصل میں آدمی پہلے یہ فیصلہ کرے کہ میرا فیصلہ حق ہے کہ نہیں اور اگر اس کا حق پر ہونا ثابت ہو جائے تو پہاڑ بھی سامنے سے ہٹ جاتے ہیں۔

سوال: آپ کے اسلام میں آنے کا کیا چیز ذریعہ بنی؟

جواب: میں ہریانہ کے اس علاقہ کی رہنے والی ہوں جہاں کسی ہندو کا مسلمان ہونا تو دور کی بات ہے، ہمارے چاروں طرف کتنے مسلمان ہیں جو ہندو بنے ہوئے ہیں، خود ہمارے گاؤں میں بادی اور تیلیوں کے بیسوں گھر ہیں جو ہندو ہو گئے ہیں، مندر جاتے ہیں ہولی دیوالی مناتے ہیں، لیکن مجھے اسلام کی طرف وہاں جا کر رغبت ہوئی جہاں جا کر خود مسلمان اسلام سے آزاد ہو جاتے ہیں۔

سوال: کہاں اور کس طرح ذرا بتائیں؟

جواب: میں ہاکی کھیلتی تھی تو بالکل آزاد ماحول میں رہتی تھی، آدھے سے کم کپڑوں میں ہندوستانی روایات کا خیال بھی ختم ہو گیا تھا، ہمارے اکثر کوچ مرد رہے، ٹیم کے ساتھ کچھ مرد ساتھ رہتے ہیں، ایک دوسرے سے ملتے ہیں، ٹیم میں ایسی بھی لڑکیاں تھیں جو رات گزارنے بلکہ خواہشات پوری کرنے میں ذرہ برابر کوئی جھجک محسوس نہیں کرتی تھیں، میرے اللہ کا کرم تھا کہ مجھے اس نے اس حد تک نہ جانے دیا، گول کے بعد اور میچ جیت کر مردوں عورتوں کا گلے لگ جانا چمٹ جانا تو کوئی بات ہی نہیں تھی، میری ٹیم کے کوچ نے کئی دفعہ بے تکلفی میں میرے کسی شاٹ پر رانوں میں کمر میں چٹکیاں بھریں، میں نے اس پر نوٹس لیا اور ان کو وارننگ دی، مگر ٹیم کی ساتھی لڑکیوں نے مجھے برا بھلا کہا، اتنی بات کو دوسری طرح لے رہی ہو مگر میرے ضمیر پر بہت چوٹ لگی، ہماری ٹیم ایک ٹورنامنٹ کھیلنے ڈنمارک گئی، وہاں مجھے معلوم ہوا کہ وہاں کی ٹیم کی سینٹر فارورڈ کھلاڑی نے ایک پاکستانی لڑکے سے شادی کر کے اسلام قبول کر لیا ہے اور ہاکی کھیلنا چھوڑ دیا ہے، لوگوں میں یہ بات

مشہور تھی کہ اس نے شادی کے لئے اس لڑکے کی محبت میں اسلام قبول کیا ہے، مجھے یہ بات عجیب سی لگی، ہم جس ہوٹل میں رہتے تھے، اس کے قریب ایک پارک تھا، اس پارک سے ملا ہوا ان کا مکان تھا میں صبح کو اس پارک میں تفریح کر رہی تھی کہ ڈنمارک کی ایک کھلاڑی نے مجھے بتایا کہ وہ سامنے برٹنی کا گھر ہے، جو ڈنمارک کی ہاکی کی مشہور کھلاڑی رہی ہے، اس نے اپنا نام اب سعدیہ رکھ لیا ہے اور گھر میں رہنے لگی ہے۔ مجھے اس سے ملنے کا شوق ہوا۔ میں ایک ساتھی کھلاڑی کے ساتھ اس کے گھر گئی۔ وہ اپنے شوہر کے ساتھ کہیں جانے والی تھی، بالکل موزے، دستانے اور پورے برقع میں ملبوس۔ میں دیکھ کر حیرت میں رہ گئی اور ہم دونوں ہنسنے لگے، میں نے اپنا تعارف کرایا تو وہ مجھے پہچانتی تھی، وہ بولی میں نے تمہیں کھیلتے دیکھا ہے، سعدیہ نے کہا ہمارے ایک سسرالی عزیز کا انتقال ہو گیا ہے، مجھے اس میں جانا ہے ورنہ میں آپ کے ساتھ کچھ باتیں کرتی، میں تمہارے کھیلنے کے انداز سے بہت متاثر ہو رہی ہوں، ہاکی کھیل عورتوں کی فطرت سے میل نہیں کھاتا۔ میرا دل چاہتا ہے کہ تمہاری صلاحیتیں فطرت سے میل کھانے والے کاموں میں لگیں۔ میں تم سے ہاکی چھڑوانا چاہتی ہوں۔ میں نے کہا آپ میرے کھیل کے انداز سے متاثر ہیں اور مجھ سے کھیل چھڑوانا چاہتی ہیں اور میں آپ کا ہاکی چھوڑنا سن کر آپ سے ملنے آئی ہوں کہ ایسی مشہور کھلاڑی ہو کر آپ نے کیوں ہاکی چھوڑ دی؟ میں آپ کو فیلڈ میں لانا چاہتی ہوں۔ سعدیہ نے کہا کہ اچھا آج رات کو ڈنر میرے ساتھ کرو، میں نے کہا آج تو نہیں، کل ہو سکتا ہے، طے ہو گیا، میں ڈنر پر پہنچی تو سعدیہ نے اپنے قبول اسلام کی روداد مجھے سنائی اور بتایا کہ میں نے شادی کے لئے اسلام قبول نہیں کیا بلکہ اپنی شرم اپنی عصمت کی عزت و حفاظت کے لئے اسلام قبول کیا ہے اور اسلام کے لئے شادی کی ہے۔ سعدیہ نہ صرف ایک مسلم خاتون تھی بلکہ اسلام کی بڑی داعیہ تھی۔ اس نے فون کر کے دو انگریز لڑکیوں کو اور ایک معمر خاتون کو بلایا، جو ان کے محلہ میں رہتی تھیں اور سعدیہ کی دعوت پر مسلمان ہو گئی تھیں۔ وہ مجھے سب سے زیادہ اسلام کے پردہ کے حکم کی خیر بتاتی رہیں اور بہت اصرار کر کے مجھے برقع پہن کر باہر جا کر آنے کو کہا۔ میں نے برقع پہنا۔ ڈنمارک کے بالکل مخالف ماحول میں میں نے برقع پہن کر گلی کا چکر لگایا، مگر وہ برقع میرے دل میں اتر گیا۔ بیان نہیں کر سکتی کہ میں نے مذاق اڑانے یا زیادہ سے زیادہ اس کی خواہش کے لئے برقع پہنا تھا مگر مجھے اپنا انسانی قد بہت بڑھا ہوا محسوس ہوا۔ اب مجھے اپنے کوچ کی بے شرمانہ شہوانی چٹکیوں سے گھن بھی آ رہی تھی۔ میں نے برقع اتارا اور سعدیہ کو بتایا کہ مجھے واقعی برقع پہن کر بہت اچھا لگا، مگر آج کے ماحول میں جب برقع پر ویسٹرن حکومتوں میں پابندی لگائی جا رہی

ہے، برقع پہننا کیسے ممکن ہے؟ اور غیر مسلم کا برقع پہننا تو کسی طرح ممکن نہیں۔ وہ مجھے اسلام قبول کرنے کو کہتی رہیں اور بہت اصرار کرتی رہیں۔ میں نے معذرت کی کہ میں اس حال میں نہیں ہوں، ابھی مجھے دنیا کی نمبر ون ہاکی کی کھلاڑی بننا ہے، میرے سارے ارمانوں پر پانی پھر جائے گا۔ سعدیہ نے کہا مجھے آپ کو ہاکی کی فیلڈ سے برقع میں لانا ہے، میں نے اپنے اللہ سے دعا بھی کی ہے اور بہت ضد کر کے دعا کی ہے۔ اس کے بعد ہم دس روز تک ڈنمارک میں رہے، وہ مجھے فون کرتی رہتی، دو بار ہوٹل میں ملنے آئی اور مجھے اسلام پر کتابیں دے کر گئی۔

سوال: آپ نے وہ کتابیں پڑھیں؟

جواب: کہیں کہیں سے دیکھی ہیں۔

سوال: اس کے بعد اسلام میں آنے کا کیا ذریعہ بنا؟

جواب: میں انڈیا واپس آ گئی، ہمارے یہاں نریلا کے پاس ایک گاؤں کی ایک لڑکی جس کے والد سن ۷۲ء میں ہندو ہو گئے تھے اور بعد میں آپ کے والد مولانا کلیم صاحب کے ہاتھوں مسلمان ہو گئے تھے، ان کے مرید بھی تھے اور حج بھی کر آئے تھے وہ ہاکی کھیلتی تھی۔ دلی اسٹیٹ کی ہاکی ٹیم میں تھی اور انڈیا کی طرف سے سلیکشن کے بعد روس میں کھیلنے جانے والی تھی، مجھ سے مشورہ اور کھیل کے انداز میں رہنمائی کے لئے میرے پاس آئی، میں نے اس سے ڈنمارک کی مشہور کھلاڑی برٹنی کا ذکر کیا، اس نے اپنے والد صاحب سے ساری بات بتائی، وہ اپنی لڑکی کے ساتھ مجھ سے ملنے آئے اور مجھے حضرت کی کتاب "آپ کی امانت" اور "اسلام ایک پریچے" دی۔ آپ کی امانت چھوٹی سی کتاب تھی۔ برقع نے میرے دل میں جگہ بنائی تھی، اس کتاب نے برقع کے قانون کو میرے دل میں بٹھا دیا۔ میں نے حضرت صاحب سے ملنے کی خواہش ظاہر کی اور دوسرے روز حضرت کا پنجاب کا سفر کیا، اللہ کا کرنا کہ یہاں گڑھا ایک صاحب کے یہاں بائی وے پر ملاقات طے ہو گئی اور حضرت نے دس پندرہ منٹ مجھ سے بات کر کے کلمہ پڑھنے کو کہا اور انھوں نے بتایا کہ میرا دل یہ کہتا ہے کہ برٹنی نے اپنے اللہ سے آپ کو برقع میں لانے کی بات منوالی ہے، بہر حال میں نے کلمہ پڑھا اور حضرت نے میرا نام عفیفہ رکھا اور کہا عفیفہ پاک دامن کو کہتے ہیں، چونکہ بائی نیچر آپ اندر سے پاکدامنی کو پسند کرتی ہیں، میری بھانجی کا نام بھی عفیفہ ہے، میں آپ کا نام عفیفہ ہی رکھتا ہوں۔

سوال: اس کے بعد کیا ہوا؟

جواب: میں نے برٹنی کو فون کیا اور اس کو بتایا، وہ خوشی میں جھوم اٹھی۔ جب میں نے

حضرت کا نام لیا تو انھوں نے اپنے شوہر سے بات کرائی، ڈاکٹر اشرف ان کا نام ہے۔ انھوں نے بتایا کہ حضرت کی بہن کے یہاں رہنے والی ایک حرا کی شہادت اور اس کے چچا کے قبول اسلام کی کہانی سن کر ہمیں اللہ نے اسلام کی قدر دکھائی ہے اور اسی کی وجہ سے میں نے برتی سے شادی کی ہے، یہ کہہ کر کہ اگر تم اسلام لے آتی ہو تو میں آپ سے شادی کے لئے تیار ہوں۔ میں نے اخبار میں ایڈ دیا، گزٹ میں نام بدلوایا، اپنی ہائی اسکول اور انٹر کی ڈگریوں میں نام بدلوایا اور ہائی سے ریٹائرمنٹ لے کر گھر پر مطالعہ شروع کیا۔

سوال: اب کیا ارادہ ہے، آپ کی شادی کا کیا ہوا؟

جواب: میں نے آئی سی ایس کی تیاری شروع کی ہے، میں نے ارادہ کرلیا ہے کہ میں ایک آئی سی ایس افسر بنوں گی اور برقع پوش آئی ایس افسر بن کر اسلامی پردہ کی عظمت لوگوں کو بتاؤں گی۔

سوال: اس کے لئے کوچنگ کر رہی ہیں؟

جواب: میں نیٹ پر اسٹڈی کر رہی ہوں، میرے اللہ نے ہمیشہ میرے ساتھ یہ معاملہ کیا ہے کہ میں جو ارادہ کر لیتی ہوں، اسے پورا کر دیتے ہیں۔ جب مشرک تھی تو پورا کرتے تھے اب تو اسلام کی عظمت کے لئے میں نے ارادہ کیا ہے، اللہ ضرور پورا کریں گے۔ مجھے ایک ہزار فیصد امید ہے کہ میں پہلی بار میں ہی آئی سی ایس امتحانات پاس کرلوں گی۔

سوال: انٹرویو کا کیا ہوگا؟

جواب: سارے برقع اور اسلام کے مخالف بھی اگر انٹرویو لیں گے تو وہ میرے سلیکشن کے لئے ان شاء اللہ مجبور ہو جائیں گے۔

سوال: گھر والوں کو آپ نے دعوت نہیں دی؟

جواب: ابھی دعا کر رہی ہوں اور قریب کر رہی ہوں، ''ہمیں ہدایت کیسے ملی؟'' ہندی میں میں نے گھر والوں کو پڑھوائی، سب لوگ حیرت میں رہ گئے اور اللہ کا شکر ہے ذہن بدل رہا ہے۔

سوال: قارئین کے لئے آپ کوئی پیغام دینا چاہیں گی؟

جواب: عورت کا بے پردہ ہونا اس کی حد درجہ توہین ہے۔ اس لئے مرد خدا کے لئے اپنے جھوٹے مطلب اور اپنا بوجھ ان پر ڈالنے کے لئے ان کو بازاروں میں پھرا کر بازاری بنانے سے باز رہیں اور عورتیں اپنے مقام اور اپنی عصمت وعفت کی حفاظت کے لئے اسلام کے پردہ کے حکم کی قدر کریں۔ (بشکریہ ماہنامہ ارمغان نومبر ۲۰۱۰ء)

اسکندریہ کا ایک روح پرور سفر

محمد بن موسیٰ الشریف☆

بروز جمعہ اسکندریہ کے انقلاب پسندوں کے سب سے بڑے مرکز اور سب سے مشہور جامع مسجد ساحل سمندر پر واقع 'مسجد القائد ابراہیم' کی زیارت کا ارادہ ہوا۔ مسجد اور اس سے متصل سڑکیں لوگوں سے کھچا کھچ بھری دیکھ میرے حیرت واستعجاب کی انتہا نہ رہی۔ میرے مصاحب نے بتایا کہ مسجد کا یہی حال رہتا ہے جب سے اسکندریہ میں الشیخ احمد المحلاوی کے نام سے معروف شیخ نے خطبہ دینا شروع کیا جو تیس سال سے زائد عرصہ دراز سے قید و بند میں زندگی گذار رہے تھے۔ یہی وہ الشیخ احمد المحلاوی ہیں جنھیں انور سادات نے ۱۴۰۱ھ میں قید کر دیا تھا اور آپ کے متعلق کہا تھا کہ کتے کی طرح قید خانہ میں پھینک دئے گئے۔ سبحان اللہ! اس خطاب کے بعد اللہ تعالیٰ نے اسے ایک مہینہ سے زائد مہلت نہ دی اور وہ مارا گیا، تیس سال سے زائد کی طویل مدت تک شیخ قید و بند میں پڑے رہے اور آج ایک شعلہ بار مقرر کی شکل میں نمودار ہوئے ہیں، اس وقت ان کی عمر ۸۵ سال سے زائد ہے، لیکن جب انھیں خطاب فرماتے سنئے گا تو آپ کو ایسا محسوس ہوگا کہ وہ ابھی نوجوان ہیں۔

شیخ نے پہلے خطبہ میں سورہ انشقاق کی ابتدائی آیتوں کی تفسیر بیان کرتے ہوئے قیامت کی ہولناکی کا تذکرہ کیا اور دوسرے خطبہ میں مصر کے حالات کا تجزیہ کرتے ہوئے وزیر اعظم یحییٰ جمل کی خبر لی۔ جس نے دستوری اصلاحات کے عوامی فیصلہ کو ناکام کرنے کی کوشش کی اور اکثر اسلام مخالف کانفرنسوں میں بائیں بازو کی جماعتوں اور سیکولرزم کے حامیوں سے خصوصی ملاقاتیں کیں۔ شیخ احمد المحلاوی نے حکمت اور منصفانہ انداز میں یحییٰ الجمل پر تنقید کی اور اس سے متعلق مزید گفتگو کو نماز بعد منعقد ہونے والی مجلس تک موخر کرنے کا اعلان کیا، جس میں الاخوان المسلمون کی وحدت وجمعیت، فلسطینیوں کی اعانت اور قومی یکجہتی جیسے مسائل پر تبادلۂ خیال ہونا تھا۔

نماز بعد مسجد سے متصل شاہراہ پر نصب اسٹیج کے ارد گرد لوگوں کا جم غفیر جمع ہو گیا۔ شیخ نے اپنی گفتگو یحییٰ الجمل اور مصر میں اصلاحات روکنے کے اس کے بڑے منصوبہ پر مکمل کی۔ اس کے بعد

☆ سعودی عرب کے مشہور داعی

ماہر تاریخ پروفیسر ڈاکٹر اول خلیفہ نے فلسطین اور بیت المقدس سے متعلق کچھ قیمتی باتیں کیں اور ان کے علاوہ متعدد علماء ومشائخ نے اظہار خیال کیا جن میں مشہور ماہر قانون تحی صالح قابل ذکر ہیں جو مصر میں سیکولرزم اور لبرالزم کے حامیوں کے گلے کی پھانس بنے ہوئے ہیں: اپنی گفتگو میں انھوں نے بتایا کہ اسلام ہی مصری عوام کی پہلی پسند ہے وہ اس کے سوا کسی قانون کو قبول نہیں کر سکتے اور مصری عوام کی بھاری اکثریت سے منظور شدہ دستوری بل کو معطل کرنے پر یحییٰ الجمل کو ہدف تنقید بنایا۔

پرجوش نعرے

جس چیز نے میری آنکھوں کو لبریز کر دیا اور لوگوں سے توجہ ہٹانے کی میری ہر کوشش کو ناکام بنا دیا وہ اسٹیج کے اردگرد موجود نوجوانوں کے وہ نعرے مسلسل ہیں جو مصر میں جولائی ۱۹۵۲ء کے انقلاب سے لے کر تقریباً ساٹھ سال سے زائد عرصہ دراز بعد بنے گئے۔ ان کا نعرہ تھا "خیبر خیبر اے یہود..... محمد کا لشکر ہے یہاں موجود" یہ سن کر میرا دل بھر آیا اور میں رو پڑا۔ عام طور پر نوجوانوں کا نعرہ ہوتا ہے: "محمد کا لشکر جلد ہی لوٹے گا" لیکن یہ اس نعرہ "محمد کا لشکر ہے یہاں موجود" میں "یہاں ہے موجود" کا جملہ بڑا معنی خیز ہے۔ اس سے پتہ چلتا ہے کہ مصری نوجوانوں کو اپنی قوت کا احساس ہونے لگا ہے جس کا صحیح رخ اور مناسب موقع پر استعمال کرنے کے لئے وہ منتظر ہیں۔

مجھے یقین ہے کہ ان نعروں سے یہودیوں کی نیندیں اڑ گئیں ہوں گی۔ یہی مصر جسے تقریباً ۳۵ سال سے غیر جانب دار ملک بنائے رکھا گیا آج از سر نو یہودیوں کے خلاف جاری جدوجہد میں عربی ممالک کے سرخیل کی شکل میں رونما ہوا ہے۔ دو مسلم پارٹیوں حماس اور فتح کے درمیان تاریخی مصالحت انجام دینے کا سہرا بھی اسی کے سر ہے اور ان نعروں سے نوجوانوں کی حوصلہ افزائی کی جس سے زیادہ دلنشیں اور دل آویز نعرہ میں نے کبھی نہیں سنا۔

ایک نعرہ جو مصر میں انقلابی روح کی بھرپور ترجمانی کرتا ہے "اے اہل فلسطین..... تمہارا خون ہمارا خون ہے، تمہارا دین ہمارا دین ہے"، یہ نعرہ ایسے میں بڑا اہم اور معنی خیز ہے جبکہ عرب و مسلم ممالک نے یہ کہہ کر فلسطینیوں سے قطع تعلق کر لیا کہ قضیہ فلسطین ان کا آپسی معاملہ ہے اور عرب ممالک تو ایسے دعوے کرنے سے بھی باز نہ آئے جو قضیہ فلسطین کے لئے بڑے نقصان دہ ثابت ہوئے۔ ایسے موقع پر یہ نعرہ "تمہارا دین ہمارا دین ہے" بڑی اہمیت کا حامل ہے اور قضیہ فلسطین کی بھرپور ترجمانی کرتا ہے کہ یہ صرف فلسطینی عوام ہی کا نہیں بلکہ پوری ملت اسلامیہ کا قضیہ ہے۔

فلسطین، مصر، لیبیا اور غالباً سوریہ و یمن کے بھی پرچم بلند کئے گئے جس سے صاف طور پر پتہ چلتا ہے کہ مصر اپنے اصل عربی مزاج کی طرف لوٹ چکا ہے بلکہ یوں کہنا زیادہ مناسب ہوگا کہ سارا عرب مصری انقلاب پسند تحریک کی آغوش میں آ چکا ہے۔

یکجہتی کا مظاہرہ

مصر میں سلفیوں کے امام طبیب حاذق اور عالم محمد احمد اسماعیل المقدم سے بھی ملاقات کا شرف حاصل ہوا۔ آپ نرم خو، طبع لطیف، خوش اخلاق واقع ہوئے ہیں اور تکلف تو نام کو نہیں۔ اسکندریہ کے سلفیوں کے رہنما ہیں۔

ہر وہ شخص جو مصر کی فلاح وبہبود چاہتا ہے اس سے اتحاد واتفاق اور سلفی نوجوانوں کی صحیح رخ پر رہنمائی کے تعلق سے میری بار ہا آپ سے گفتگو ہوئی۔ آپ نے اس موضوع سے متعلق پوری دلچسپی کا اظہار کیا اور اس بات پر زور دے کر کہا کہ دشمنان اسلام کو موقع نہ دیا جائے کہ وہ ملک میں فتنہ برپا کریں اور مسلمان ایک دوسرے کے خون کے پیاسے ہو جائیں یا یہود و نصاریٰ انھیں موت کے گھاٹ اتاریں۔ اس اظہار خیال پر میں نے ان کی تعریف وتحسین کی اور ان کے اندر اس تحریک کی قیادت کی بھرپور صلاحیت کا مشاہدہ کیا۔

اس زیارت کے دوران جن لوگوں سے مل کر دلی مسرت ہوئی ان میں انجینئر عبدالقوی، وکیل مجدی عثمان، ڈاکٹر محمد حسین اور قانون داں تحی صالح کے نام بطور خاص قابل ذکر ہیں۔ ان کے علاوہ دوسرے علماء وفضلاء سے ملاقات کا بھی موقع میسر آیا۔ اللہ تعالیٰ ان تمام کو سعادت دارین سے نوازے۔ آمین

☆☆☆

پشیمانی سے بچو

اے لوگو جو ایمان لائے ہو! اگر کوئی فاسق تمہارے پاس کوئی خبر لے کر آئے تو تحقیق کر لیا کرو، کہیں ایسا نہ ہو کہ تم کسی گروہ کو نادانستہ نقصان پہنچا بیٹھو اور پھر اپنے کئے پر پشیمان ہو۔ (القرآن)

خواہشات کی پیروی - نفس کی ایک اہم ترین آفت

عصمت عمر ☆

نفس انسانی جب اپنی خواہشات کی جانب مائل و راغب ہوتا ہے تو ان گناہوں اور نافرمانیوں کا شکار ہو جاتا ہے جن سے چھٹکارہ و خلاصی اس کو اسی وقت مل پاتی ہے جب وہ لذت مطلوب اور دین کی سلامتی کے درمیان موازنہ کرے اور اس حقیقت سے باخبر ہو جائے کہ خواہش نفس جس چیز میں بھی شامل ہو جاتی ہے اسے خراب کر دیتی ہے خواہ وہ علم اور پرہیزگاری ہی کیوں نہ ہو۔

شیطان کا انسان کو گمراہ کرنے کا سب سے کارگر ہتھیار خواہشات کو برانگیختہ کرنا ہے۔ انسان خواہشات کی پیروی سے اسی وقت بچ سکتا ہے جب وہ اس بات کو ذہن میں رکھے کہ اسے خواہشات کی تکمیل کے لئے نہیں بلکہ ایک عظیم تر مقصد (بندگی رب) کے لئے پیدا کیا گیا ہے۔ جس کا حصول خواہشات کی نافرمانی پر ہی موقوف ہے اور اس کلیہ کو یاد کرے کہ کتنی ہی نافرمانیاں فضائل کو خاکستر کر دیتی ہیں۔ انسانوں کو بے شمار دناءتوں سے ہمکنار کر دیتی ہیں۔ کتنے ہی حرام لقمے بے شمار لقموں سے اور کتنی ہی لذتیں عظیم لذتوں سے انسان کو محروم کر دیتی ہیں۔ کتنی ہی خواہشات نے جاہ و منصب کو توڑ دیا اور عظیم سروں کو جھکا دیا، انسان کے ذکر و شرف کو گھٹیا کر دیا اور اسے مذمت و تنقید کا ہدف بنا دیا اور ایسی ذلت و رسوائی سے اسے ہمکنار کر دیا جسے پانی سے بھی وہ نہیں دھل سکتا۔ خواہشات سے انسان اسی وقت بچ سکتا ہے جب وہ کتاب و سنت کی جانب رجوع کرے اور اللہ عزوجل کے اوامر کی اتباع کرے اور خواہشات سے چوکنا و ہوشیار رہنے میں صحابہؓ کے اسوہ کو اپنے سامنے رکھے۔

ارشاد خداوندی ہے: "فلاتتبعوا الهوى ان تعدلوا و ان تلووا أو تعرضوا فان الله كان بما تعملون خبيرا." (سورۃ النساء:۱۳۵) پس تم خواہش نفس کے پیچھے پڑ کر انصاف نہ چھوڑ دینا، اگر تم نے کج بیانی یا پہلوتہی کی تو جان لو کہ جو کچھ تم کرو گے اللہ تعالیٰ اس سے پوری طرح باخبر ہے۔

"ولاتتبع الهوى فيضلك عن سبيل الله ان الذين يضلون عن سبيل الله لهم عذاب شديد بما نسوا يوم الحساب." (ص:۲۶) اور اپنی نفسانی خواہش کی پیروی نہ کرو، ورنہ وہ تمہیں اللہ کی راہ سے بھٹکا دے گی۔

"واما من خاف مقام ربه و نهى النفس عن الهوى فان الجنة هي المأوى"

☆ کویت کے مشہور داعی

(سورۃ النازعات:۴۱) ہاں جو شخص اپنے رب کے سامنے کھڑے ہونے سے ڈرتا رہا ہوگا اور اپنے نفس کو خواہش سے روکا ہوگا تو اس کا ٹھکانہ جنت ہی ہے۔

نبی اکرم ﷺ کی یہ سنت رہی ہے کہ آپ برے اخلاق و اعمال اور خواہشات سے پناہ مانگا کرتے تھے اور اپنی امت کے تعلق سے اس اندیشہ کا اظہار کرتے رہتے تھے کہ کہیں وہ پیٹ و پیٹھ کی بھوک اور گمراہ کن خواہشات کے ہتھے نہ چڑھ جائے۔ ارشاد نبویؐ ہے:

اخوف ما اخاف عليكم شهوات الغى فى بطونكم و فروجكم و مضلات الهوى مجھے تم لوگوں کے تعلق سے سب سے زیادہ اندیشہ پیٹ و پیٹھ کی خواہشات اور گمراہ کن خواہشات میں مبتلا ہو جانے کا ہے۔

نبی اکرم ﷺ کی اسی تنبیہ کی بناء پر سلف صالح بھی خواہشات کی پیروی کے انجام سے ڈرایا کرتے تھے، اس سلسلے میں ان کے بعض زریں اقوال ملاحظہ ہوں۔

حضرت علیؓ کا ارشاد ہے: مجھے تم لوگوں سے دو چیزوں کا اندیشہ ہے، خواہشات کی پیروی اور امیدوں کی درازی۔ خواہشات کی پیروی انسان کو حق سے اور لمبی امیدیں اسے آخرت سے غافل و بے فکر کر دیتی ہیں۔

ایک شخص نے حسن بصریؒ سے پوچھا سب سے افضل جہاد کون سا ہے؟ آپ نے جواب دیا: "جهاد هواك" تیرا اپنی خواہشات سے جہاد کرنا۔

ابن تیمیہؒ کہتے ہیں: خواہشات اور نفس سے جہاد و مجاہدہ کافروں اور منافقوں سے جہاد کرنے کی اساس ہے کیونکہ انسان ان سے جہاد پر اسی وقت قادر ہوگا جب وہ اپنی خواہشات سے جہاد کر کے ان کی جانب نکلے۔

بشر الحافیؒ کا بیان ہے: تمام آفات و مصائب تیری خواہشات میں مضمر ہیں اور ان سے شفا کا راز خواہشات کی مخالفت میں پوشیدہ ہے۔

عطاءؒ کہتے ہیں: جس کی خواہش اس کی عقل پر اور جزع و فزع اس کے صبر پر غالب آ جائے وہ ذلیل و رسوا ہو جاتا ہے۔

ابو علی الثقفیؒ کہتے ہیں: "من غلبه هواه توارى عنه عقله" جس کی خواہش اس پر غالب ہو جائے اس کی عقل اس سے چھپ جاتی ہے۔

اے اللہ ہم تیری پناہ چاہتے ہیں برے اخلاق و اعمال اور خواہشات و بیماریوں سے۔ اے اللہ ہم تیری پناہ میں آتے ہیں گمراہ کن آزمائشوں سے خواہ وہ ظاہر ہوں یا پوشیدہ۔ آمین

شکر: کس کا اور کیوں؟

عبدالحمید بلالی

اٹلی کے ایک شہر میں واقع ایک مراکشی کی دوکان سے اٹلی کے ایک شہری نے کھانے پینے کا کچھ سامان خریدا۔ مراکشی تاجر نے کہا: الحمدللہ۔ یہ سن کر اٹیلین کو بڑی حیرت ہوئی اور پوچھ بیٹھا: آخر تم اللہ کا شکر کیوں ادا کرتے ہو؟ پیسہ تو میں نے تمہیں دیا ہے۔ مراکشی تاجر نے جواب دیا: مال عطا کرنے والی ذات اللہ ہی کی ہے تم تو صرف ایک ذریعہ ہو۔

مغربی تہذیب کے درمیان زندگی بسر کرنے والا ایک ایسا مسلمان جس نے نہ صرف خود کو اس ماحول میں ضم ہونے سے بچایا بلکہ اپنی شخصیت کو برقرار رکھا، اسلام پر اسے فخر رہا اور اپنے یومیہ اخلاق و کردار سے اپنے عقیدہ کی ترویج و اشاعت کی اور اپنی دوکان میں آنے والے غیر مسلم بھائی سے حسن سلوک وبرتاؤ سے متاثر کیا۔ ایک ایسے مسلمان سے جب وہ اٹیلین یہ جواب سن کر لوٹا تو اس کے دل کے تاروں میں اہتزاز برپا ہوگیا تھا جس کا اظہار قبول اسلام کے اعلان کے جاں فزا نغمہ کی شکل میں ہوا۔

مغربی ممالک یا غیر مسلم ممالک میں بسنے والے کچھ مسلمان باشندگان وطن کے سامنے اپنے دین اور عقیدہ کا اظہار محض اس اندیشہ سے نہیں کرتے کہ ان پر تنقید کی جائے گی، مذاق اڑایا جائے گا اور گری نگاہوں سے دیکھا جائے گا، یہی وجہ ہے کہ کئی لوگ کچھ دنیاوی مفاد کی خاطر اپنے بہت سے دینی و اخلاقی قدروں سے اس حد تک دستبردار ہوجاتے ہیں کہ ان کے پاس بطور شعار سوائے مسلم نام (محمد، عبداللہ، عبدالرحمن) کچھ باقی نہیں رہتا۔

درحقیقت ایسے لوگوں کا اسلام سے دور کا بھی واسطہ نہیں بلکہ ان میں بعض تو ایسے بھی ہیں جو مسلم نام رکھنے میں بھی شرم محسوس کرتے ہیں نام بدل کر جارج، ڈیوڈ، اڈوارڈ وغیرہ رکھ لیتے ہیں تاکہ انھیں دقیانوسی نہ سمجھا جائے اور گری نظروں سے (بزعم خود) نہ دیکھا جائے۔

لیکن خوش آئند بات یہ ہے کہ تجارت وحصول علم کی غرض سے ان ممالک کی جانب رخ کرنے والوں میں اچھی خاصی تعداد ایسے لوگوں کی بھی ہے جنھیں اپنے ایمان واسلام پر فخر ہے اور جو

اسلام کی موثر اور سچی تصویر پیش کررہے ہیں اور اس طرح بہتوں کے قبول اسلام کا ذریعہ بنتے ہیں اگرچہ ایک معمولی مگر برمحل مناسب اور سلیک جواب ہی کے ذریعہ کیوں نہ ہو جیسا کہ مذکورہ بالا واقعہ میں مراکشی نے جواب دیا۔

اس مقام پر ہمیں بھی اپنے گریبان میں جھانک کر دیکھنا چاہئے کہ کیا ہمیں بھی اسلام پر فخر ہے اور اس کی قدروں اور شعائر کو حرز جاں بنانے کے لئے ہم تیار ہیں اور ہمیں بھی اللہ کا یہ فرمان یاد ہے: ومن احسن قولا ممن دعا الی اللہ وعمل صالحا وقال اننی من المسلمین (فصلت: ۳۳) بھلا اس شخص سے اچھی بات کس کی ہوسکتی ہے جو اللہ کی طرف بلائے اور نیک عمل کرے اور کہے: میں تو ایک مسلمان ہوں۔

☆☆☆

جامعہ کی گولڈن جبلی

یہ مسرت انگیز خبر آپ تک پہنچ چکی ہوگی کہ نومبر ۲۰۱۲ء میں جامعہ کی گولڈن جبلی منائی جارہی ہے۔ اس کے لئے ۲۳، ۲۴، ۲۵ رنومبر کی تاریخیں طے کی گئی ہیں۔ ان شاء اللہ آغاز نماز جمعہ سے ہوگا اور امامت، امام حرم فرمائیں گے۔

جمعہ کے بعد افتتاحی اجلاس ہوگا اور بعد مغرب شیخ الجامعہ وامیر جماعت اسلامی ہند مولانا سید جلال الدین عمری صاحب کی زیر صدارت مدارس اسلامیہ کے ممتاز علماء کرام کا اجلاس ہوگا۔ ۲۴ رنومبر سنیچر کا دن خواتین کے اجلاس کے لئے خاص ہے اور بعد مغرب "ہمارا تعلیمی نظام۔عصر حاضر کے تناظر میں" کے موضوع پر علمی مذاکرہ ہوگا۔ ۲۵ رنومبر کو فارغین وفارغات جامعہ کے لئے جلسہ تقسیم اسناد ہوگا۔ اس موقع پر ایک اہم نمائش کا اہتمام ہوگا اور طلبہ وطالبات کی جانب سے تعلیمی مظاہرہ بھی ہوگا۔ تفصیلی پروگرام زیر ترتیب ہے، اپنے گرانقدر مشوروں سے ضرور نوازیں۔

گولڈن جبلی تقریبات کا آرگنائزر مولانا مقبول احمد فلاحی صاحب کو مقرر کیا گیا ہے۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کی مدد فرمائے اور جامعہ کو ترقی کی شاہراہ پر گامزن رکھنے کی توفیق دے۔ آمین

محمد طاہر مدنی
(ناظم جامعہ)

تجھے کتاب سے ممکن نہیں فراغ کہ تو

شاہنواز فاروقی

اقبال نے ایک صدی قبل اپنے عہد کے مسلمانوں سے شکوہ کرتے ہوئے کہا تھا:

تجھے کتاب سے ممکن نہیں فراغ کہ تو
کتاب خواں ہے مگر صاحبِ کتاب نہیں

اقبال نے اس شعر میں مسلمانوں سے کہا کہ تمہیں کتاب کا مطالعہ فائدہ نہیں پہنچا سکتا کیونکہ تم محض کتاب کے قاری ہو، کتاب سے تمہارا تعلق تخلیقی نہیں ہے۔ لیکن اس کا مفہوم کیا ہے؟ دراصل کتاب کے مطالعے کی دو اقسام ہیں:

۱۔ کتاب کا مردہ مطالعہ　　　۲۔ کتاب کا زندہ مطالعہ

کتاب کے مردہ مطالعہ کا مفہوم یہ ہے کہ کتاب کو صرف وقت گزارنے کے لئے پڑھا جائے۔ بعض لوگ اس لئے بھی کتاب پڑھتے ہیں کہ وہ خود کو یقین دلا سکیں کہ ہم بھی صاحبِ علم اور صاحبِ ذوق ہیں، ہمیں بھی کتاب سے محبت ہے، ہم بھی معاشرے کا دماغ ہیں، اس کا بالائی طبقہ ہیں۔ لیکن یہ سب خود فریبی کی مختلف صورتیں ہیں۔ مطالعہ کی یہ قسم بے جان ہے اور کتاب کی خواندگی سے آگے نہیں جاتی۔ یہاں سوال یہ ہے کہ کتاب کا زندہ مطالعہ کس چیز کا نام ہے؟ اس سوال کا جواب یہ ہے کہ کتاب کا زندہ مطالعہ قاری میں نئے تاثرات، نئے جذبات اور نئے خیالات پیدا کرتا ہے۔ کتاب کا مطالعہ قاری کی رائے تبدیل کرتا ہے، اس کے زاویہ نگاہ کو بدلتا ہے اور اس کے تناظر کو صحیح کرتا ہے۔ اس طرح کتاب کا مواد قاری کے لئے زندہ تجربہ بن جاتا ہے اور کتاب مصنف اور قاری کے مابین ایک مکالمے کی صورت اختیار کر لیتی ہے۔ اس مکالمے کا نتیجہ یہ ہوتا ہے کہ قاری خود بھی مصنف بن جاتا ہے۔ اس مطالعے سے قاری کی شخصیت فروغ پا کر کچھ سے کچھ ہو جاتی ہے یہاں تک کہ کتاب کا قاری اقبال کے الفاظ میں خود "صاحبِ کتاب" بن جاتا ہے۔ لیکن اقبال کے اس شعر میں کتاب کا مفہوم ایک سطح تک محدود نہیں بلکہ اس کی کئی جہتیں ہیں۔ ایک سطح پر اس شعر میں کتاب کا مفہوم کوئی بھی کتاب ہے لیکن دوسری سطح پر کتاب کا مفہوم یہ ہے کہ انسان کے علم میں اضافہ

اس کے لئے معاشرے، تاریخ، تہذیب، یہاں تک کہ پوری کائنات کو ایک کتاب بنا دیتا ہے اور علم کے راستے میں ایک منزل وہ آتی ہے کہ انسان، انسان کو کتاب کی طرح پڑھتا ہے، معاشرے کا مطالعہ کتاب کی طرح کرتا ہے، تاریخ کو ایک کتاب کی طرح دیکھتا ہے، تہذیب کو کتاب کی طرح بروئے کار لاتا ہے اور کائنات پر ایک کتاب کی طرح نگاہ ڈالتا ہے۔ اس طرح کتاب کا زندہ مطالعہ انسان کو پوری زندگی اور پوری کائنات سے منسلک اور ہم آہنگ کر دیتا ہے۔ چند سو صفحے کی کتاب پھیل کر زمان و مکان کی وسعتوں کو گرفت میں لے لیتی ہے، لیکن اقبال کے اس شعر میں کتاب کی ایک اور سطح بھی ہے۔ اس سطح پر کتاب سے مراد الکتاب یعنی قرآن پاک ہے۔ اس حوالے سے اقبال مسلمانوں سے کہتے نظر آتے ہیں کہ تم صرف قرآن کے قاری بن کر رہ گئے ہو، تمہارے لئے قرآن صرف حصولِ ثواب کا ذریعہ ہے لیکن قرآن کتابِ انقلاب ہے، وہ انسان کے ظاہر و باطن کو بدلتی ہے۔ لیکن قرآن سے مسلمانوں کا زندہ تعلق باقی نہیں رہا اور اب قرآن کے مطالعے سے مسلمانوں کے فکر و عمل میں کوئی تغیر نہیں آتا بلکہ اب تو قرآن پاک کے ساتھ مسلمانوں کا تعلق یہ ہو گیا ہے کہ مسلمان خود کو بدلنے کے بجائے قرآن کے مفہوم کو بدلنے لگے ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ مسلمانوں کی قوت مضمحل ہو گئی ہے، فاتحین مفتوح بن گئے ہیں، وقت کو مٹھی میں قید رکھنے والے لمحوں کی ٹھوکروں پر ہیں۔ لب لباب یہ کہ:

بجھی عشق کی آگ، اندھیر ہے
مسلماں نہیں، راکھ کا ڈھیر ہے

لیکن سوال یہ ہے کہ کتاب کے ساتھ مسلمانوں کا تعلق محض قاری کا کیوں رہ گیا؟ مسلمان قرونِ اولیٰ کی طرح "صاحبِ کتاب" کیوں نہیں رہے؟ اب ہم مسلمانوں کے بارے میں اقبال کے الفاظ میں یہ کیوں نہیں کہہ سکتے:

یہ راز کسی کو نہیں معلوم کہ مومن
قاری نظر آتا ہے حقیقت میں ہے قرآن

اس سوال کا جواب یہ ہے کہ مسلمانوں کا "تصورِ ذات" تبدیل ہو گیا ہے۔ ایک وقت تھا کہ مسلمان خود کو زمین پر اللہ تعالیٰ کا خلیفہ اور اشرف المخلوقات سمجھتے تھے۔ ساری دنیا، دنیا کے سارے انسان، یہاں تک کہ ساری کائنات ان کا مسئلہ تھی اور وہ اس کی ذمہ داری کو اپنے کاندھوں پر محسوس کرتے تھے، لیکن سیاسی غلامی نے جو دیکھتے ہی دیکھتے تہذیبی غلامی میں تبدیل ہو گئی، مسلمانوں کو دنیا

اور کائنات کیا خود اپنے سلسلے میں بھی غیر ذمہ دار بنادیا۔ مسلمان جب تک ذمہ دار تھے سمندر کے تیراک تھے۔ وہ غیر ذمہ دار بنے تو کنوئیں کے مینڈک بن گئے۔ غلامی کا احساس گہرا اور شدید ہوا تو ان کا مرض اور بڑھ گیا، انھوں نے کنوئیں ہی کو سمندر سمجھنا شروع کردیا۔ اس صورت حال نے مسلمانوں میں خود اپنی ذات اور دوسروں سے تعلق کی اہمیت کو کمزور کرکے ان میں بے تعلقی کے مرض کو پروان چڑھایا۔ جب تک مسلمان تعلق کی کیمیا کے حامل تھے کتاب کے مفہوم کی ہر سطح سے ان کا گہرا رشتہ تھا۔ وہ ایک کتاب پڑھ کر دس کتابیں تخلیق کرتے تھے لیکن تعلق کا پہلو کمزور پڑا تو مسلمانوں کو لگنے لگا کہ کتاب کا قاری ہونا ہی بہت ہے۔ تصورِ ذات کی تبدیلی، غیر ذمہ داری اور بے تعلقی کے سوا یہ مسئلہ بھی اہم ہے کہ عہد غلامی نے مسلمانوں کو اپنے نظامِ خیال کا متبادل بھی فراہم کیا۔ ان کے قانون کی جگہ نئے قانون نے لے لی۔ ان کے علوم وفنون نئے علوم وفنون کے سامنے پسپا ہوگئے اور نئے علوم وفنون نے دیکھتے ہی دیکھتے ان کے علوم وفنون پر قبضہ کرلیا۔ اس صورت حال نے مسلمانوں کی تخلیقی صلاحیتوں کو مزید کند کردیا۔ مسلمان نئے علوم وفنون میں امام نہیں ہوسکتے تھے۔ یہاں ان کا درجہ صرف مقلد کا ہوسکتا تھا، معاف کیجئے گا یہاں مقلد کا لفظ بھی صحیح نہیں۔ تقلید کا بھی ایک تخلیقی رخ ہوتا تھا۔ مسلمان فاتحین کے ''نقال'' بن کر رہ گئے، چنانچہ کتاب اور علم سے بھی ان کا تعلق سطحی اور سرسری ہوگیا۔ آپ کہیں گے اقبال کا زمانہ اچھا تھا۔ اس زمانے میں مسلمان کم ازکم کتاب کے قاری تو تھے۔ اب تو وہ کتاب کے قاری بھی نہیں رہے۔ آپ کا یہ خیال غلط نہیں۔ مسلمان اب واقعتا کتاب کے قاری بھی نہیں رہے۔ یہ کتنی عجیب بات ہے کہ سیاسی غلامی ختم ہوگئی مگر تخلیقی وتہذیبی غلامی کا احساس مزید گہرا ہوگیا ہے۔ (بشکریہ: اردو بک ریویو)

صبر

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: واصبروا وما صبرک الا باللہ

صبر یہ ہے کہ کسی تکلیف پر اندرونی بے قراری پر نفس کو قابو میں رکھا جائے، اس کے تین درجات ہیں:

(۱) معصیت سے اجتناب پر صبر (۲) اطاعت پر صبر (۳) مصائب پر صبر۔

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: اصبروا یعنی مصائب پر صبر کرو، صابروا: گناہوں سے بچے رہنے پر صبر، رابطوا: اطاعت وبندگی پر جماؤ۔

جدید مغربی نظریۂ تعلیم

(انیسویں صدی کے بعض اہم رجحانات کا مطالعہ)

ڈاکٹر عبید اللہ فہد فلاحی ☆

اٹھارہویں صدی کے اواخر اور انیسویں صدی کے آغاز میں یوروپ میں رونما ہونے والی سیاسی وسماجی تبدیلیوں اور معاشی وصنعتی تغیرات نے قدیم اشرافی مطلق العنانیت اور استبدادی فکر کو کمزور کیا، یوروپ کے توسیعی عزائم نے نئے ممالک، نئے خطے اور نئے انسان تلاش کئے اور اس کے نتیجہ میں رونما ہونے والی تاجرانہ رقابت کی افزائش نے قومی دولت کو استحکام بخشا اور متوسط طبقہ کی آبادی بھی ان نعمتوں سے فیضیاب ہوئی۔ ان سماجی اور معاشی تبدیلیوں کے جلو میں ٹکنالوجی کی تیز رفتار ترقی بھی آئی۔ اسٹیم انجن کی ایجاد اور فیکٹری نظام کے تعارف نے صنعت کاری، آبادی کی شہروں میں منتقلی اور طبقہ عوام کی محنت ومزدوری میں دلچسپی کو فروغ دیا۔ دانشوروں اور مفکروں نے اقتصادی استحصال، قدیم ظالمانہ مراعات، سیاسی وحکومتی بدانتظامی، عدم تحمل وغیرہ سماجی برائیوں کے خلاف آواز اٹھائی، ان کے افکار ونظریات نے۔ جن میں فرد کے شہری حقوق پر زور دیا گیا تھا۔ سیاسی انقلابات ہی کو جنم نہیں دیا بلکہ تمام حکومتوں کو مجبور کیا کہ وہ عامۃ الناس کی بہبود کے بارے میں سوچیں اور منصوبے بنائیں۔

ایک عظیم نفسیاتی تبدیلی وجود میں آئی۔ یوروپ کا عام آدمی بیدار ہوا۔ اس کے اندر خود اعتمادی پیدا ہوئی۔ وسائل کے استعمال پر قدرت کی صلاحیت، خودی کا احساس، مستقبل کو خود سنوارنے کا جذبہ مستحکم ہوا، قومیت کے جذبے اور نظریہ نے اس احساس کو مزید توانائی بخشی اور اپنے اختیارات کو استعمال کرنے کی آزادی انگڑائی لینے لگی۔ ان رجحانات نے تعلیم اور تعلیمی نظام کی پیش رفت کو متاثر کیا۔ ایک دوررس نتیجہ فکر کے طور پر بتدریج تعلیم کو حکومت کے فرائض میں شمار کیا گیا۔ فرانس اور جرمنی جیسے ملکوں میں انیسویں صدی کے آغاز ہی میں قومی جذبہ اور نظریہ وجود میں آچکا تھا کہ پبلک تعلیمی نظام قائم کیا جائے۔ دوسرے ممالک جیسے برطانیہ عظمی اور ریاستہائے متحدہ امریکہ کو مدتوں یہ

☆ پروفیسر اسلامک اسٹڈیز، علی گڑھ مسلم یونیورسٹی

تردور ہا کہ حکومت تعلیمی نظام میں مداخلت کرے۔ ان ملکوں کے تعلیمی مصلحین کو اس غالب رجحان کے خلاف زبردست مزاحمت کرنا پڑی کہ "مفت تعلیم" صرف غریب بچوں کو فراہم کی جائے۔ انھیں سماج کو دلائل کے ساتھ مطمئن کرنا پڑا کہ پورے معاشرہ پر عام ٹیکسوں کے نفاذ سے ہی تمام بچوں کو مناسب تعلیم دی جاسکتی ہے اور اس کے بھاری اخراجات پورے کیے جاسکتے ہیں۔

نئے سماجی اور معاشی تغیرات نے نجی اور عوامی اسکولوں کو اپنے اغراض و مقاصد اور نصاب تعلیم کو وسیع تر کرنے پر مجبور کیا۔ اسکولوں سے وابستہ توقعات میں خواندگی، دماغی نظام اور اچھی اخلاقیات کو فروغ دینا ہی شامل نہیں رہا بلکہ اب اُن کی ذمہ داری یہ بھی قرار پائی کہ وہ طلبہ کو شہریت کے لئے، ملازمت اور خود کفالت کے لئے اور انفرادی ترقی و خوشحالی کے لئے بھی تیار کریں۔ طریقۂ تدریس اب بھی نصابی کتب کو حفظ کرنے اور سخت ڈسپلن کو ملحوظ رکھنے کے گرد گردش کرتا رہا بلکہ ایک نمایاں تبدیلی یہ ہوئی کہ طلبہ کے تئیں ہمدردی اور ان کے حقوق کی رعایت پر توجہ مرکوز ہونے لگی۔ اسکولوں میں طلبہ کی تیزی سے بڑھتی ہوئی تعداد کے پیش نظر باہم طلبہ کو آموختہ سنانے کے انفرادی رواج نے اجتماعی طریقۂ سماعت میں اپنے کو تبدیل کیا اور بتدریج مانیٹوریل سسٹم مقبول ہوا طلبہ کی تعداد جس تناسب سے بڑھی اسکولوں میں اتنے اساتذہ کا تقرر نہ ہوسکا اور مجبور ہو کر سینئر طلبہ کو مانیٹر مقرر کیا گیا تا کہ وہ ایک جماعت کے جونیئر طلبہ کو مقررہ اسباق پڑھا سکیں۔ اسی طرح طلبہ کی عمر کے لحاظ سے انہیں مختلف طبقوں اور جماعتوں میں تقسیم کرنے کا عمل۔ جو جرمنی میں اٹھارہویں صدی میں شروع ہو چکا تھا۔ بتدریج دوسرے ملکوں میں بھی مقبول ہوا۔

یہی دور ہے جس میں تعلیمی اصولوں اور نظریات کی تشکیل جدید کے لئے یوروپی مفکرین، مصلحین اور دانشوروں نے بڑے اہم قدم اٹھائے۔ یوروپ نئے تعلیمی افکار سے روشناس ہوا، کچھ نئے تجربے کیے گئے اور اسکول اور کلاس روم ان افکار و تجربات کا مرکز بنے۔ فرانسیسی مفکر اور دانشور جان جاک روسو (Jean Jacques Rousseau, 1844-1910) کا اثر اس دور کے تعلیمی نظریات پر سب سے گہرا ہے۔ روسو کے فکری متبعین میں ایک نمایاں نام پسٹالوزی Pestalozzi کا ہے۔ پسٹالوزی کا اعتقاد تھا کہ علوم و فنون کے ہیکل کے بجائے بچہ کی فطرت اور اس کا مزاج تعلیم کا نقطۂ آغاز ہو۔ روسو کے انقلابی خیالات کی جھلک جرمن ماہر تعلیم فریڈرک فروبل (Friedrich Froebel, 1782-1852) کے ہاں بھی دکھائی دیتی ہے، جس نے ۱۸۳۷ء میں بچوں کے لئے پہلے کنڈرگارڈن کی بنیاد رکھی۔ اس کا خیال تھا کہ بچوں کی تعلیم میں ان کی

خود کارکردگی (Self-activity) کو مرکز و محور قرار دیا جائے، اسی طرح جوہان فریڈرک ہربرٹ (Johann Friedrich Herbart, 1776-1841) پر بھی روسو کا اثر صاف محسوس ہوتا ہے، آخر الذکر کو انیسویں صدی کے ان اہم ترین مفکرین تعلیم میں شمار کیا جاتا ہے جنھوں نے فن تدریس کو باقاعدہ ایک علم و فن کی روپ ریکھا عطا کی۔

پیسٹالوزی کے نظریات

سوئزرلینڈ کے تعلیمی مصلح جوہان ہیزک پسٹالوزی (۱۷۴۶ء-۱۸۲۷ء) کے افکار و نظریات نے جدید ابتدائی تعلیم و تدریس کی بنیاد رکھی، محرومین اور پسماندہ طبقہ کے دفاع کے لئے جدوجہد کو اس نے اپنی زندگی کا شعار بنایا ہوا تھا۔ مورخ کے قریب ۱۷۷۴ء میں اس نے ایک یتیم خانہ قائم کیا اور محروم و پسماندہ بچوں کو زراعت اور معمولی تجارت کے گر سکھائے تا کہ وہ خود کفالتی زندگی گزار سکیں اور دوسروں کے محتاج نہ رہیں۔ چند سالوں کے اندر اس کا یہ تجربہ ناکام ثابت ہو گیا۔ اس نے طریقۂ تدریس پر قلم اٹھایا اور اپنے افکار و خیالات کو کاغذات پر منتقل کرنے لگا۔ چنانچہ ۱۸۰۱ء میں اس کی اہم ترین تصنیف سامنے آئی جس کا عنوان تھا: (گرٹروڈ اپنے بچوں کو تعلیم کیسے دیتی ہے؟)

How Gertrude teaches her children?

اس نے دوبارہ تدریس شروع کردی۔ آخر کار ۱۸۰۵ء میں اس نے Yverdon میں اپنا مشہور بورڈنگ اسکول قائم کیا جو بیس سالوں تک چلتا رہا۔ اس اسکول کا معائنہ و مشاہدہ اس وقت کے بڑے مفکرین اور دانشوروں نے کیا جیسے فلسفی فختے (Johann Gottlieb Fichte) ماہر تعلیم فروبل اور جغرافیہ داں کارل ریٹر (Carl Ritter, 1779-1859) وغیرہ۔

پسٹالوزی نے تعلیم و تدریس کے میدان میں بہت کچھ لکھا مگر اپنے اصول تدریس اور طریقۂ تعلیم پر ایک کتاب بھی ایسی نہیں لکھی جس میں اس کے افکار و نظریات مربوط انداز میں ایک جگہ مل جائیں۔ اس کے اصول و نظریات کا ایک خاکہ تیار کرنے کے لئے ضروری ہے کہ اس کی تمام تحریروں کا مطالعہ کیا جائے۔ اس کے اصول تدریس کی بنیاد یہ تھی کہ تعلیم و تدریس کو نامیاتی (Organic) ہونا چاہئے یعنی جسمانی، اخلاقی اور عقلی پہلوؤں پر یکساں توجہ دی جائے اور اگر پسٹالوزی کی اصطلاحات استعمال کی جائیں تو سر، دل اور جسم کا ارتقا ایک ساتھ ہو اور انسان کی تمام قابلیتوں اور حواس پر یا اُس قوتِ خودی (Self-Power) پر توجہ مرکوز کی جائے جو ہر شخص کے اندر خفتہ ہے۔ تعلیم کا اصل کام ہے اس قوتِ خودی کو متحرک کرنا، اس کی خفتہ صلاحیتوں کو بیدار کرنا مختلف سرگرمیوں

اور حرکات کے ذریعہ جیسے جسمانی میدان میں محنت اور ورزش کے ذریعہ، اخلاقیات میں آداب اور اخلاقی اقدار کی پرورش کر کے اور عقلی میدان میں حواس خمسہ کے صحیح استعمال کی تربیت دے کر کہ محسوس اشیاء کا مشاہدہ درست ہو اور اس کے نتیجہ میں صحیح فیصلہ کرنے کی صلاحیت پیدا ہو سکے۔ پسٹالوزی کا اصرار ہے کہ الفاظ، نظریات، افکار، اعمال وسکنات اور اخلاقیات واقدار اسی وقت بامعنی ہوتی ہیں جبکہ وہ محسوس ومتعین اشیاء سے ہم رشتہ ہوں۔

ان تعلیمی افکار سے چند متعین تدریسی اصول مستنبط کئے گئے: علامتی طریقہ تدریس پر تجربی طریقہ کو اولیت حاصل ہے یعنی ایسے اسباق پر زور دیا جائے جو بچوں کو زندگی کے حقائق سے قریب کر سکیں۔ انھیں اسباق سے اصولی فکر کا استخراج ہو۔ انسان کی زندگی کے افعال وحرکات سے علم کا سوتا پھوٹے یعنی تعلیمی نظام کا محور طالب علم ہو نہ کہ مضمون تدریس۔ استاد کا کام یہ ہے کہ طالب علم کی سرگرمیوں میں شرکت کر کے اس کی فطرت اور مزاج کو سمجھے اور پھر اس کی تعلیم کی تفصیلات طے کرے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ تعلیم کے مراحل کی تعیین طفلی ارتقاء کے مراحل سے ہم آہنگ ہو۔ جیسے جیسے بچہ کی عمر بڑھتی جائے اور اس کے مزاج، فطرت اور رجحانات میں تبدیلی آئے اسی تناسب سے مرحلہ تعلیم اور نصاب تعلیم کی تفصیل بھی طے ہو۔ یہ اصول بھی متعین ہوا کہ عقلی، اخلاقی اور جسمانی تربیت ساتھ ساتھ ہو اور ان میں وحدت اور یکسانیت لازمی طور پر موجود ہو۔

پسٹالوزی کے ان افکار ونظریات پر غریب اور مجبور بچوں سے متعلق اس کی خدمات اور دلچسپیوں کا گہرا اثر دکھائی دیتا ہے۔ ان افکار میں خانگی تعلیم پر بھی کافی زور ملتا ہے، فنون اور حرفتوں کے ارتقاء پر بھی کافی توجہ دی گئی ہے مگر خود ان کی ترقی مطلوب نہیں ہے بلکہ علمی اور اخلاقی ترقی کے جلو میں ان کی ترقی پر گفتگو کی گئی ہے۔ دست کاری کی تربیت اہم قرار دی گئی مگر سر، دل اور ہاتھ کے لئے یورپ کی روشن خیالی اور فرانسیسی انقلاب نے محرومین ومظلومین کی آزادی کی تحریک چلائی تھی اور پسٹالوزی نے غریبوں کی امداد کی تھی تاکہ وہ خود اپنی امداد کر سکیں۔ یہ ایک سماجی اصلاح کی تحریک تھی، سماجی انقلاب کی نہیں۔

پسٹالوزی نے کہا تھا کہ "فن تدریس پر اس کی تمام جہتوں میں زور دیا جائے تاکہ وہ ایک منضبط علم کی حیثیت میں ترقی کر سکے یعنی فطرت انسانی کے عمیق ترین علم سے اس کا سوتا پھوٹے اور اس کی گہرائیوں میں اتر کر اس کی عمارت تعمیر کی جائے:

"The art of education must be significantly raised in all

its facets to become a science that is to be built on and proceeds from the deepest knowledge of human nature."

چنانچہ اس تعلیمی مصلح کی اپنی جدوجہد سے مغربی دنیا کے مختلف ملکوں میں اس کے نظریہ تعلیم کو فروغ ہوا، غریبوں اور محروموں کے تئیں اس کی خصوصی مشنری دلچسپی رنگ لائی، اس نے ابتدائی تعلیم کی نئی منہاجیات کی تشکیل کی جس کا نفاذ اسکولوں ہی میں نہیں ہوا بلکہ یورپ اور امریکہ کے تدریس اساتذہ پروگراموں میں بھی اسے بروکار لایا گیا، خود پسٹالوزی نے اپنی مثال کے ذریعہ اساتذہ کو زبردست پیشہ ورانہ تحریک فراہم کی۔ یورپ کی تحریک روشن خیالی نے اگر جدید طریقہ تعلیم وتدریس میں تعقل کی روشنی پیدا کی تو پسٹالوزی نے یہ ثابت کیا کہ تعقل تنہا تعلیمی مشن کی کامیابی کے لئے کافی نہیں ہے، اس سے زیادہ اہم بے لوث محبت اور جذبہ ترحم ہے دنیا کو مشکلات کے دلدل سے نکالنے کے لئے۔

تدریس اطفال کے میدان میں پسٹالوزی کے اثرات کا جائزہ لینا آسان نہیں ہے، اس دور کے تقریباً تمام مناہج تدریس پر اس مصلح کی چھاپ پائی جاتی ہے، تاہم جرمنی نے اس کے اثرات سب سے زیادہ قبول کئے، خاص طور سے پروسیا اور سیکسون جیسے شہروں میں اسکولوں نے اس منہج تدریس کو اختیار کیا، انیسویں صدی کے پہلے نصف میں برطانیہ عظمی کا اسکول سسٹم عام طور پر سخت انضباطی مانیٹوریل نظام کا پابند تھا اور زیادہ تر انگریز شرفا پسٹالوزی کو ایک "مایوس اور پراگندہ فکر" کی حیثیت سے دیکھتے تھے جو ایک "عینیت پسند اور اپنے ہی خوابوں میں مگن رہنے والا" مفکر تھا، مگر آگے چل کر اس نے انگلینڈ میں London infant school society, James Pierrepont Greaves اور Elizabeth Mayo and the home and colonial Society کی معرفت اپنے اثرات قائم کئے۔ ریاست ہائے متحدہ امریکہ میں فلاڈلفیا کے سائنسداں اور انسانیت نواز ولیم میکلور (William Maclure, 1763-1840) نے اور جوزف نیف (Joseph Neef) نے اس کے نظریات کا تعارف کرایا، خود سوئزرلینڈ میں Philipp Emanvel von Fellenberg نے غریب بچوں کی تعلیم کے لئے ایک ادارہ قائم کیا اس نے کوشش کی کہ منہج تعلیم اور نصاب تعلیم پر مشتمل ایک مخصوص ریاست تشکیل دے جس میں محنت اور کام کر کے طلبا اپنی کفالت کر سکیں اور منہج تدریس کا پروگرام طلبا اور اساتذہ کے اشتراک عمل سے نافذ ہو۔

فریڈرک فروبل

انیسویں صدی کا دوسرا ماہر تعلیم فروبل ہے جس نے کنڈر گارڈن تحریک کی تاسیس کی اور عہد طفولیت میں کھیلوں اور خود کار کردگی کے پروگراموں کے ذریعہ تدریس کو موثر بنانے کی نظریہ سازی کی۔ وہ بنیادی طور پر مذہبی تھا اور عیسائیت کے وحدت الوجودی طبقے سے تعلق رکھتا تھا، اپنی زندگی میں اسے کوئی زیادہ شہرت نہ ملی کیونکہ اس کی نثر نگاری اور اس کے فلسفیانہ نظریات بڑے دقیق علمی اور مبہم تھے جنھیں پڑھنا اور سمجھنا کارِ دے دارد تھا۔

عنفوانِ شباب میں فروبل نے مختلف قسم کے روزگار تلاش کرنے کی کوشش کی، ۱۸۰۵ء میں اس کی ملاقات انٹن گرونر (Anton Gruner) سے ہوئی، یہ پیسٹالوزی کا ایک شاگرد اور فرانکفرٹ میں ایک اسکول کا ڈائرکٹر تھا، اس نے فروبل کو استاد بننے پر آمادہ کرلیا، گرونر کے ساتھ دو سال گزارنے کے بعد اس نے پیسٹالوزی سے ملاقات کی، گوٹنگسن اور برلن میں مزید تعلیم حاصل کی اور اپنے تعلیماتی افکار کی بنیادوں پر ایک اسکول قائم کرنے کا فیصلہ کیا، آخر کار اس نے ۱۸۱۶ء میں گریشیم میں یونیورسل جرمن ایجوکیشنل انسٹی ٹیوٹ کی بنیاد رکھی، اگلے سال اس نے ادارہ کو کیہاؤ منتقل کردیا، یہ ادارہ ایک طرح سے فروبل، اس کے احباب واقارب اور اہل خانہ کے لئے تعلیمی کمیونٹی میں تبدیل ہوگیا، ۱۸۲۶ء میں اس نے اپنی سب سے اہم کتاب لکھی جس کا نام تھا: The education of man مگر نظریہ اب بھی بڑا فلسفیانہ اور غیر واضح تھا، ۱۸۳۱ء میں وہ پھر سوئزر لینڈ میں تھا جہاں اس نے ایک اسکول، ایک یتیم خانہ اور اساتذہ کی تدریسی تربیت کے لئے ایک کورس کا آغاز کیا، ۱۸۳۷ء میں کیہاؤ واپس آیا تو اس نے پہلا کنڈر گارڈن قائم کیا جس کا مطلب تھا ''گلستانِ اطفال''۔ اس تجربہ نے بڑی کشش اور مقبولیت دکھائی، سیاسی مخالفت کے باوجود دوسرے ادارے بھی اسی گلستانِ اطفال کے طرز پر قائم ہوئے۔

تحریک گلستان اطفال

کنڈر گارڈن یا گلستانِ اطفال کے تدریسی و تعلیمی نظریہ کے پس پشت ایک قسم کے صوفیانہ اور مابعد الطبیعاتی سیاق کی کارفرمائی ہے۔ فروبل کا اعتقاد تھا کہ آدمی خدا کا، فطرت کا اور انسانیت کا بچہ ہوتا ہے، اس لئے اسے اپنے سہ جہاتی وجود کے اطراف و جوانب کا احاطہ کرتے ہوئے اپنی وحدت، تنوع اور انفرادیت کو سیکھنا چاہئے۔ دوسری طرف اسے تمام اشیاء کی وحدت کا راز بھی معلوم کرنا چاہئے یعنی وحدت الوجودی فلسفہ کی تہ تک پہنچنا اس کی ضرورت ہے، وہ کہتا ہے کہ تعلیم کا مقصد

ہے کہ ایک سوچنے والے، ذہین وجود کو جو عرفانِ نفس کے مقام تک پہنچنے کی کوشش کر رہا ہے، ایک خالص، صالح شعور تک لے جائے اور اسے الہامی وحدت کے باطنی قوانین کی آزادانہ نمائندگی کا سلیقہ سکھائے اور اس تک پہنچنے کے راستوں اور ذرائع کی تفہیم کرے۔

"Edacation consists of leading man, as a thinking, intelligent being, growing into self-consciousness, to a pure and unsullied, conscious and free representation of the inner law of the divine unity and in teaching him ways and means hereto."

تدریس کے دو پہلو ہیں؛ اساتذہ کی ذمہ داری ہے کہ بچوں کے اندر موجود خود ارتقائی صلاحیت یا خود کارکردگی کی قابلیت کی راہ میں جو رکاوٹیں ہیں، انہیں دور کریں اور ان کے فرائض میں یہ بھی شامل ہے کہ آدمی نے تجربے سے جو صحیح اور بہتر طریقۂ فکر و عمل اخذ کیا ہے اس کے اندر اگر کوئی انحراف در آیا ہے تو اسے درست کریں۔ اس کا سیدھا مطلب یہ ہے کہ استاد کو قانونی اور لازمی تعلیم کو مسلط نہیں کرنا چاہئے، اس کے برعکس جب طالب علم، بطور خاص کنڈر گارڈن کی سطح کا بے سکون ہوتا ہے، اس کی آنکھوں میں آنسو آجاتے ہیں یا اس پر پژمردگی کے اثرات طاری ہوتے ہیں اس وقت استاد کی ذمہ داری فقط یہ ہے کہ وہ سبب معلوم کرے اور طالب علم کی تخلیقی ترقی کی راہ میں حائل ظاہری رکاوٹ کو دور کرے، سب سے اہم بات یہ ہے کہ استاد کے حکم یا مشورہ کا مصدر اس کا اپنا مزاج یا فوری ردعمل نہ ہو، اس کا رویہ اور ردعمل منضبط، موزوں اور متناسب ہو اور اس کی تشکیل میں استاد اور طالب علم کے درمیان ایک تیسری قوت کی کارفرمائی بھی ہو، وہ تیسری قوت عیسائیت کا نظریہ حق وصداقت ہے۔

فروبل کے نزدیک اسکول ''علم خارجی کے کثیر یا وسیع تر تنوع کے حصول کے لئے کوئی ادارہ'' نہیں ہے، اس کے مطابق بچے اُن چیزوں میں تعلیم اور رہنمائی حاصل کرلیتے ہیں جن کی انہیں ضرورت نہیں ہوتی، اسکول کی حیثیت اس مقام کی جہاں بچوں کو ''اشیاء کے اندرونی ربط کا علم'' ہوتا ہے، اشیاء سے یہاں مراد خدا، انسان، فطرت اور ان کے درمیان پائی جانے والی وحدت ہے، اس علم کے مضامین ہیں مذہب، زبان اور ادب، فطری تاریخ اور شکل اور ہیولی کا علم، ان تمام مضامین میں اسباق طلبہ کے مفادات اور ان کی دلچسپیوں کے لئے پرکشش اور موثر ہوں، فروبل کے نظریہ کے

مطابق ایسا محسوس ہوتا ہے کہ اسکول کی دلچسپی اصلاً علوم کی منتقلی نہیں ہونی چاہیے بلکہ اس کی توجہات کا محور طلبہ کے کردار کا ارتقاء اور حصول علم کی صحیح تحریک پیدا کرنا ہو۔

کھیل اور تفریح کی اہمیت

گلستانِ اطفال کے اس تعلیمی پروگرام میں فروبل کے نزدیک زیادہ اہمیت کھیلوں اور تفریحات کی ہے، ہوم ورک اور اسباق کی طرح ان کھیلوں کو طالب علم کے خفتہ مقدر کے ادراک کے لیے استعمال کرنا چاہیے، کھیل وقت کے ضیاع کے لئے ذریعہ نہیں بنتے، یہ "بچوں کے اندر ارتقاء کا اہم ترین زینہ" ہیں، ان کھیلوں کے ذریعہ اساتذہ کو پتہ لگتا ہے کہ بچے کس طرح ترقی کررہے ہیں فروبل کی اصل دلچسپی کھلونوں سے ہے جسے وہ "تحائف" سے تعبیر کرتا ہے جن کی تجویز اس لئے رکھی گئی ہے کہ بچے منظم اور منضبط کھیل کے ذریعہ سیکھ سکیں، یہ تحائف ہیں: گیند، گلوب، توڑ جوڑ کے ذریعہ بنائے جانے والے گھروندے اور چیزیں، لکڑی کے خوبصورت ٹکڑے جنہیں آسانی سے جمع اور منتشر کیا جاسکے، کاغذ کے ٹکڑے جو تہہ کئے جاسکیں، چھڑیاں، ہلکے راڈ، گڑیا گڈے کے کھلونے، غبارے وغیرہ۔ ان کھلونوں کے ذریعہ بچوں کے اندر شکل، رنگ، سائز، حجم کی پہچان، جمع و تفریق اور ملانے اور الگ کرنے کی خصوصیت، تقابل اور موازنہ کرنے کی قابلیت پیدا کرتا ہے۔

گلستانِ اطفال کا یہ تجربہ اپنے دور میں بڑا کامیاب نکلا۔ اس وقت ہالینڈ، جرمنی اور انگلینڈ میں بے بی کیئر سینٹر پہلے سے کام کررہے تھے اور اس طرح برسرروزگار والدین کو کچھ راحت مل چکی تھی، فروبل نے اس سے آگے بڑھ کر ایسے اداروں کی بنیاد رکھی جہاں بچوں کو کھیل اور تفریح کے ذریعہ نفسیاتی تربیت دی جاسکے، ظاہر ہے یہ ادارے اور اسکول اطفال کے لئے قائم ہوئے تھے بالغان کے لئے نہیں، نصاب میں تین طرح کی سرگرمیاں شامل تھیں: (۱) کھلونوں سے بچوں کو بہلانا اور اس طرح مختلف چیزوں سے انھیں متعارف کرانا (۲) مختلف کھیلوں اور نغموں کے ذریعہ بچوں کے ہونٹوں اور آواز کی ورزش اور ایک طرح کی انسانیت اور فطرت کی تربیت (۳) پودوں اور جانوروں کی دیکھ ریکھ تاکہ ان کے تئیں ترحم کا جذبہ بیدار ہو، یہ تینوں اعمال منظم طریقے سے انجام دینے کی تجویز تھی، گلستانِ اطفال کے اس منہج تدریس کو بڑی مقبولیت حاصل ہوئی۔ فروبل کا ۱۸۵۲ء میں انتقال ہوگیا۔ اس کی موت کے بعد پچیس سالوں کے اندر آسٹریا، بلجیم، کناڈا، جرمنی، برطانیہ عظمیٰ، نیدرلینڈ، ہنگری، جاپان، سوئزرلینڈ اور ریاست ہائے متحدہ امریکہ کے مختلف شہروں میں کنڈرگارڈن اسکول کھلتے چلے گئے۔

فریڈرک ہربرٹ

جوہان فریڈرک ہربرٹ معاصر تھا فروبل کا، اس کی زندگی میں اس کی منظم و منضبط "فلسفیانہ واقعیت" کی زیادہ تشہیر نہ ہوسکی۔ اس کی وفات کے بعد انیسویں صدی کے نصف آخر میں اس کے نظریات پر لوگوں نے توجہ دی، اسے فنِ تدریس کے نظریہ کاروں میں ایک معمار کی حیثیت حاصل ہے، جس نے فنِ تدریس کی منہاجیات میں نفسیات اور مابعدالطبیعات دونوں کا بھرپور استعمال کیا ہے۔

اٹھارہ سال کی عمر میں ہربرٹ نے مشہور فلسفی فشٹے سے یونیورسٹی آف جینا میں تعلیم حاصل کی، اس نے ایک لمبے سفر کے بعد فشٹے کی عینیت پسندی سے ناطہ توڑ کر "فلسفیانہ واقعیت" کی راہ اپنائی جس میں یہ نکتہ نظر مضمر تھا کہ مظاہر کی دنیا میں اشیاء یا حقائق کا تنوع پایا جاتا ہے، تبدیلی رونما ہوتی ہے مگر بس ان حقائق کے درمیان رابطوں اور تعلقات میں ہوتی ہے، یہ حقائق متبدل تعلقات کی بحیثیت حفاظت خود کے واقعہ کے مزاحمت کرتے ہیں، اشیاء کی طرح افکار و نظریات بھی ہمیشہ اپنا وجود رکھتے، تبدیلی کی مزاحمت کرتے اور حفاظتِ خود کی وکالت کرتے ہیں، یہ صحیح ہے کہ بعض افکار شعور کی دہلیز سے نکل جاتے ہیں مگر یہ خارج شدہ افکار بھی لاشعور کی شکل میں موجود ہوتے ہیں اور تعلیم کے ذریعہ حجابات جیسے ہی دور ہوجاتے ہیں وہ پھر برجستہ شعور میں داخل ہونے کی کوشش کرتے ہیں، شعور میں افکار رہتے ہیں جو دوسرے افکار کو اپنے قریب کرکے پیچیدہ نظامات کی تشکیل کرتے ہیں، افکار کا یہ ہجوم فرد کے مختلف مفادات (جیسے اس کا اپنا گھر، اپنے مشاغل اور دلچسپیاں) سے مطابقت کرتا اور فلسفیانہ و مذہبی تصورات اور اقدار کی توسیع کرتا ہے، دماغی ارتقاء کے عمل میں افکار کے متنوع مجموعے ایک مستقل غلبہ حاصل کرلیتے ہیں اور یہ غلبہ شعور میں داخل ہونے یا دوبارہ گھسنے کی کوشش کرنے والے افکار کے انتخاب میں بڑا موثر ہوتا ہے۔

فنِ تدریس کے مزاج اور فطرت پر اپنے منضبط اور منظم گفتگو میں ہربرٹ نے اس عمل کو ہجوم افکار کے آغاز سے تعبیر کیا ہے جسے بچہ تجربہ سے اور سماجی تعامل کے ذریعہ حاصل کرتا ہے، استاد تجربہ کے ذریعہ علم کو اور سماجی تعامل کے ذریعہ جذبۂ ترحم کو پیدا کرتا ہے، اس کا آخری نصب العین ایک ایسے روشن خیال ارادہ کو ترقی دے کر کردار کی تشکیل کرنا ہے جو صحیح اور غلط کے درمیان تمیز کرسکے، حقائق کی طرح اخلاقی فیصلے بھی حتمی اور قطعی ہوتے ہیں، یہ مراقبہ سے رونما ہوتے اور دلیل سے بے نیاز ہوتے ہیں، دوسرے لفظوں میں ہربرٹ کے نزدیک اخلاقیات فنِ تدریس کا حتمی اور آخری مقصد ہے۔

کلاس روم کے اندر اسباق کا مقصد نئے تصورات سے متعارف کرانا، انھیں باہم مربوط کرنا اور مرتب اور منضبط کرنا ہے، ہربرٹ زور دیتا ہے تنسیق (Articulation) پر جس سے اس کی مراد "طالب علم کے ذہن میں صحیح یا اخلاقی ہجوم افکار کی تشکیل کے منظم نتیج" سے ہے، طالب علم پہلے ایک مخصوص مسئلہ پر متوجہ ہوتا ہے پھر اس کے مشمولات پر دھیان دیتا ہے، ان دونوں مراحل میں سے ہر ایک مرحلہ آرام اور ارتقا کے وقفے رکھتا ہے اور اس طرح تنسیق کے چار مرحلے ہو جاتے ہیں: (۱) مخصوص تصورات کی توضیح یا ان میں متوازن مراقبہ (۲) نئے تصورات کو قدیم تصورات سے مربوط کرنا یا ان کے درمیان متحرک ربط تلاش کرنا (۳) تنظیم کاری یا قابل قدر تصورات کو مرتب کرنا یا انھیں ترمیم و تنسیخ کے مرحلہ سے گزارنا (۴) منہاجیات کاری یا حاصل کردہ علم کو تسلیم کرنا اور ان کا تحرکانہ اطلاق کرنا، ہربرٹ اس نظام تعلیم و تدریس کو عمومی انداز میں لیتے ہیں مگر ان کے جانشینوں نے اس نظام کو ایک جامد جدول میں تبدیل کر دیا جسے ہر سبق پر نافذ کرنا چاہئے، ہربرٹ نے خود متنبہ کیا تھا کہ ہمیں ان منہاجیات سے واقف رہنا چاہئے، حالات کے حساب سے ان کا اطلاق کرنا چاہئے، ان میں ترمیم و تبدیلی کرتے رہنا چاہئے اور انھی میں ہمیشہ کے غوطہ زن ہو کر نئے امکانات سے محروم نہیں ہونا چاہئے:

"We must be familiar with them, try them out according to circumstances, alter, find new ones, and extemporize, only we must not be swallowed up in them nor seek the salvation of education there."

ہربرٹ کا تدریسی منہاجیات کی تاسیس دماغی اعمال اور نفسیاتی ملحوظات پر کرنا، اس کا یہ نظریہ کہ نفسیات اور اخلاقی فلسفہ دونوں باہم مربوط ہیں، اس کی یہ فکر کہ تعلیم ذریعہ ہے اخلاقی فیصلہ کا، ان تمام افکار نے انیسویں صدی کی تدریسی منہاجیات پر بڑے اثرات مرتب کئے، ہربرٹ کے متبعین میں لیپزگ کے توسکن زیلر (Tuiskon Ziller, 1817-1882) ایک نمایاں نام ہے، جس نے Association for scientific pedogogy کی بنیاد رکھی، ایک دوسرا نام جینا کے ولہیم رین (Weiheim Rein) کا ہے، ۱۸۹۵ء سے ۱۹۰۱ء کے درمیان ریاست ہائے متحدہ امریکہ میں National Herbart Society for scientific study of pedagogy قائم ہوئی جس نے انھی افکار و نظریات کے فروغ کو اپنا نصب العین قرار دیا۔

زیلر کے افکار و خیالات ہربرٹ اسکول کے علم برداروں کی ترجمانی کرتے ہیں، اس نے اپنی تحریروں میں زور دیا کہ نصاب تعلیم اور نظام تعلیم کے تمام اجزا باہم دگر مربوط اور متحد ہوں، تاریخ اور مذہب درا صل بنیادی و محوری مضمون کی حیثیت رکھتے ہیں جن پر دوسرے مضامین معلق ہیں، تعلیم کی ترتیب فرد کے نفسیاتی ارتقاء سے پوری طرح ہم آہنگ ہو اور یہ ارتقاء انسانیت کے تہذیبی ارتقائی مراحل کے — جس میں ماقبل تاریخ کے دور وحشت سے ترقی کر کے انسانیت دور تہذیب میں داخل ہوئی — مطابق حال ہو، میدان تعلیم میں زیلر کا اہم مقصد، ہربرٹ کے دوسرے متبعین کی طرح، طلبہ میں علم کی منتقلی سے آگے بڑھ کر تعمیر کردار کو فروغ دینا تھا۔

دوسرے جرمن مفکرین

جرمنی کے ماہرین تعلیم جنھوں نے فن تدریس کے علم کو وسعت اور گہرائی عطا کی، انیسویں صدی میں کثیر تعداد میں ہوئے۔ ہربرٹ، فروبل اور پسٹالوزی کے علاوہ ایک بڑی تعداد دیگر مفکرین کی ہے جن کے مشاہدہ، تجربہ اور فکر سے یہ فن مالا مال ہوا۔ جیسے:

فریڈرک شلر Friedrich Schiller. 1759-1805

جوہان وولف گانگ گوئٹے Johann Wolfgang von Goethe, 1749-1832

ہیگل G.W.F. Hegel. 1770-1831

فریڈرک لدوگ جان Friedrich Ludwig Jahn, 1778-1852

فریڈرک ریشر Johann Paul Friedrich Richter, 1763-1825

ارنسٹ موریز ارنٹ Ernst Moritz Arndt, 1769-1860

فریڈرک نطشے Friedrich Nietzsche, 1844-1900

جوہان فشٹے Johann Gottlieb Fichte, 1762-1814

فریڈرک شلیر ماکر

ولہیم ون ہمبولٹ

ان میں سے آخر الذکر تین فلسفی اور ماہرین تعلیم بڑے اہم ہیں، فشٹے نے ۸-۱۸۰۷ء میں برلن میں جو خطابات کئے ہیں وہ شائع ہو چکے ہیں:

Addresses to the German Nation, 1807-8

ان میں جرمنی کی شان و شوکت کی بازیافت کے علاوہ پسٹالوزی کے افکار کی روشنی میں جرمن اسکولوں

کی تنظیم نو پر بھی زور ہے، تمام بچوں کو تعلیم دی جائے گی اور تعلیم کے تمام مصارف حکومت برداشت کرے گی، طلبہ اور طالبات کی مخلوط تعلیم ہوگی اور نصاب تعلیم بھی بڑی حد تک یکساں ہوگا، زراعت اور صنعتی علوم میں دست کاری کی تربیت دی جائے گی، جسمانی تدریب کا کورس ہوگا، دماغی تربیت بھی ہوگی جس کا مقصد محض علوم کو منتقل کرنا نہیں ہوگا بلکہ دماغی تجسس کو بیدار کیا جائے گا اور انسانوں کے تئیں محبت اور ترحم کے جذبات پیدا کئے جائیں گے، فشٹے تاہم والدین اور ماحول کی مداخلت سے پریشان ہے اور زور دیتا ہے کہ بچوں کی تعلیم و تربیت کے لئے ایک "علاحدہ آزاد معاشرہ" (Separate and Independent Community) ہو یا اس معاشرہ کو اس وقت تک قائم رکھا جائے جب تک کہ والدین کی ایک نئی نسل جدید افکار و نظریات کی روشنی میں تیار نہ ہو جائے۔

مغرب کے یہ تعلیمی رجحانات بنیادی طور پر لادینی طرز فکر کے علم بردار ہیں جن میں دین و مذہب کا کوئی فعال کردار دکھائی نہیں دیتا۔ روسو نے جس کے اثرات تعلیمی رجحانات و افکار پر سب سے زیادہ پڑے، تعلیمی نظام پر کسی اخلاقیات یا اقدار کے موثر ہونے کی مخالفت کی ہے۔ اس نے حقیقت پسند اور مبنی بر واقعہ نظریہ تعلیم (Realistic and Positive) کی وکالت کی جس میں کسی الہامی عقیدہ کا کوئی دخل نہ ہو بلکہ طلبہ کی فطری صلاحیتوں کو بروئے کار لانے کے لئے حقائق پر مبنی تعلیم دی جائے، ان تمام ماہرین تعلیم کا جہانی نظریہ انکار مذہب اور انکار مابعد الطبعیات پر استوار ہوا ہے اور مذہب کے عمل دخل کو اگر تسلیم کیا ہے تو بس ذاتی و انفرادی زندگی کی حد تک، اسی لئے اس تعلیمی نظام میں بے سمتی اور بے چہرگی عام ہے۔ اقدار حیات کا فقدان ہے اور اعلیٰ تر مقاصد کے لئے جینے کا سلیقہ ناپید ہے۔

مدرسہ عقل کو آزاد تو کرتا ہے مگر
چھوڑ جاتا ہے خیالات کو بے ربط و نظام

ایثار کی فضیلت

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ویؤثرون علی انفسھم ولو کان بھم خصاصۃ
خود پر دوسرے کو ترجیح دینا نیک نیتی سے ہونا چاہئے، اگر از خود بطیب خاطر اس کا صدور ہو تو یہ ایثار بہت عمدہ شمار کیا جائے گا اور اگر طبیعت پر جبر کرکے ہو تو وہ بھی ٹھیک ہے۔

قرآنی اسالیب دعوت (۴)

مقبول احمد فلاحی

(۲۲) لا اکراہ فی الدین۔ لا اکراہیت

دین اسلام دنیائے انسانیت کے لئے بارگہ رب العزت کے دربار کی ایک خوبصورت اور پرکشش سوغات ہے۔ یہ سوغات مسلمانوں کے توسط سے تمام بندگان خدا تک پہنچی ہے۔ اب اس تحفہ کی پیش کش میں مسرت و شادمانی اور قلبی کشش و آمادگی ضروری ہے۔ ورنہ اس کی قدر و منزلت متاثر ہوگی اور بسا اوقات سوغات سے نفرت بھی ہو سکتی ہے۔ لہٰذا اسلام کی دعوت کا ایک مسلم اصول یہ ہے کہ اس کی تبلیغ کے معاملہ میں کوئی زور زبردستی یا ایسی کیفیت نہیں آنی چاہئے کہ مخاطب کے قلب میں اس کے لئے کراہیت کے جذبات نشو نما پائیں۔ اس مستقل اصول کی وسعت و معنویت کا وسیع محل ہے۔ یہاں صرف یہ بتانا مقصود ہے کہ داعی کو ہمیشہ اس امر کا لحاظ رکھنا چاہئے کہ عوام کے درمیان اسے ایسے انداز اور موقع محل سے پیش کیا جائے جس میں کوئی چیز زبردستی تھوپنے کے مترادف نہ ہو۔ بسا اوقات جوش تبلیغ میں موقع بے موقع آمادگی ہو کہ نہ ہو۔ قبولیت کا رجحان ہو یا نہ ہو ایک سر میں آنکھ بند کرکے دعوت کا آغاز کر دیا جاتا ہے۔ مخاطب کے اندر بجائے آمادگی اور لپک کے اسے ایک بے تکی سر بھگر اکتاہٹ، گھبراہٹ بلکہ نفرت پیدا ہو جاتی ہے۔ وہ صرف داعی ہی سے نہیں بلکہ اس قیمتی شے سے بھی متنفر ہو جاتا ہے جس کی پیشکش کا انداز نامناسب اور بھونڈا ہو۔

دعوت دین کا بنیادی طریقہ کار خوشگوار ماحول میں ذہنی تسخیر کا ہے، اس کی رعایت انتہائی ضروری ہے۔ ورنہ مخاطب متنفر ہو جائے گا یا منافقانہ روش اختیار کر لے گا۔ آپ کی ہر بات میں ہاں میں ہاں ملاتا جائے گا اور اس کا دل نفرت سے لبریز ہوتا جائے گا۔ "لا اکراہ فی الدین، قد تبین الرشد من الغی، فمن یکفر بالطاغوت و یومن باللہ فقد استمسک بالعروۃ الوثقیٰ، لا انفصام لھا، واللہ سمیع علیم. (البقرہ ۲۵۶) دین کے معاملے میں کوئی زور زبردستی نہیں ہے۔ صحیح بات غلط خیالات سے الگ چھانٹ کر رکھ دی گئی ہے۔ اب جو کوئی طاغوت کا انکار کرکے اللہ پر ایمان لے آیا، اس نے ایک ایسا مضبوط سہارا تھام لیا ہے جو کبھی ٹوٹنے والا نہیں، اور اللہ

(جس کا سہارا اس نے لیا ہے) سب کچھ سننے اور جاننے والا ہے۔

(۳۴) محرومین و مستضعفین کے حقوق کی ادائگی کے لئے عملی جد و جہد۔

دعوت دین اور شہادت حق کے عموماً دو معروف ذرائع ہیں۔ ایک قولی دوسرے عملی۔ حق کی وہ گواہی جو کردار اور عمل سے دی جاتی ہے وہ زیادہ موثر اور کارگر ہوتی ہے۔

اللہ کی قدرت وصناعی کا بے مثال پیکر انسان کا وجود ہے۔ انسانی ساخت اور اس کا وجود بظاہر مختلف اور متضاد جذبات اور جبلتوں کا مجموعہ ہے۔ اور ہر جذبہ وجبلت اس کے وجود کی ترقی اور نشو نما میں معاون و مددگار ہے۔ اگر بظاہر ان متضاد اور متغائر جذبات کو تعلیم و تربیت کے ذریعہ متوازن اور ہموار نہ کیا جائے تو انسان جسے اللہ تعالیٰ نے احسن تقویم پر پیدا کیا ہے دنیائے انسانیت کے لئے بدی کا محور بن جاتا ہے اور اسفل السافلین میں جا گرتا ہے۔ انہی جذبات میں سے ایک جذبہ خود پسندی اور مفاد پرستی کا ہے۔ اگر یہ جذبہ نہ ہو تو انسان نہ اپنی حفاظت کر سکتا ہے اور نہ اپنی ذات کو ترقی دے سکتا ہے۔ لیکن یہ جذبہ جب حد توازن کھو دیتا ہے تو دوسروں کے مفادات پر ڈاکے ڈالنے لگتا ہے۔ اور انسانیت کا استحصال کر کے اپنے مفادات کی حفاظت کا سامان تیار کرنے لگتا ہے۔ تماشہ یہ ہے کہ سماجی انصاف کے خوشنما نعروں کے پس پشت جذبۂ ظلم کارفرما ہوتا ہے۔ عالمی امن و سلامتی کے عنوان سے ظلم و بربریت اور قتل و غارت گری کا بازار گرم کیا جاتا ہے۔ امن و سلامتی کے ادارے ظلم وستم کے نئے نئے راستے تلاش کرتے نظر آتے ہیں۔ داعی کا کام یہ ہے کہ عوام الناس کو ان شر پسند عناصر کے منصوبوں سے آگاہ کرے۔ پس پردہ اسکیموں کو منظر عام پر لائے۔ لوگوں کے زاویۂ نظر کی اصلاح کرے۔ درحقیقت یہ ظلم و ناانصافی اور اندھیرا اسی وقت تک رہ سکتا ہے جب تک کہ شمع حق فروزاں نہ ہو اور جب روشنی پھیلتی ہے اندھیرے یک لخت کافور ہو جاتے ہیں۔ بڑا کٹھن بہت ہمت طلب اور جانگسل ہے یہ وادی، یہ دعوت حق کی وادی ہے۔

انسانی تاریخ کا ہر دور ایسے عناصر کی داستان ظلم وستم سے لبریز ہے جنہوں نے مختلف ذرائع سے دوسرے انسانوں کو غلام بنایا، ان کا استحصال کیا، ان پر مظالم ڈھائے اور ان کا خون چوس کر فربہی حاصل کرتے رہے۔ اسلام اسے ظلم و ناانصافی سے تعبیر کرتا ہے۔ اس ظلم و ناانصافی کا قلع قمع کرنا اس کا اولین ہدف ہے۔

انبیاء کرام کی بعثت کا ایک اہم مقصد یہ رہا ہے کہ ظلم و ناانصافی کا خاتمہ کر کے حق و انصاف

کا بول بالا کیا جائے۔ مگر ظلم واستحصال کے خلاف اٹھ کھڑا ہونا اور حق و انصاف کے لئے جدوجہد کرنا ایک سخت معرکہ ہے اور انبیاء کرام نے اپنی زندگیوں میں یہی معرکے سر کئے ہیں۔ قول و عمل کی شہادت نیز سرگرم جد و جہد کے ذریعہ ہمیشہ مظلوموں کی حمایت کی اور انسانوں کے بنائے ہوئے استحصالی نظاموں سے انہیں آزاد کرایا۔ انسانوں کو انسانوں کی غلامی سے نکال کر اللہ کی غلامی میں لانے کے لئے جہاد کبیر کیا۔ اس کے لئے عملی نمونہ پیش کیا۔ بڑے پیمانے پر ذہن سازی کی اور آخری حد تک جا کر عوام الناس کی حمایت کی۔ ابتداء میں جن کی نجات کی جد جہد ہوتی ہے وہی طبقہ دعاۃ کو بجائے نجات دہندہ سمجھنے کے اپنا دشمن سمجھتے ہیں لیکن جب صبر وثبات کے ساتھ یہ کام جاری رہتا ہے تو رفتہ رفتہ مظلومین کی آنکھوں کا غبار زائل ہونے لگتا ہے اور پھر وہ وقت بھی آتا ہے کہ یہی طبقہ آگے بڑھ کر مستکبرین سے ٹکراتا اور ان کو کیفر کردار تک پہنچا دیتا ہے۔

اس مہم جوئی کا زبردست فائدہ یہ ہوا کہ انسانی سماج کی وہ اکثریت جو ایک زمانے سے دوسرے مفاد پرست انسانوں کی ہوس پرستی کا شکار ہو کر کراہ رہی تھی حقیقت واضح ہو جانے کے بعد اس کی بھر پور حمایت حاصل ہوئی۔ عملی جد وجہد کے مرحلہ میں اس طبقہ نے انبیاء کو اپنا نجات دہندہ تسلیم کیا اور ان کے دامن میں پناہ لے کر آزادی اور مسرت سے ہمکنار ہوئی۔ مثلاً خواتین، غلام، یتیم غریب، پس ماندہ طبقات اور دیگر مظلومین ومحرومین طبقات وغیرہ۔ وما لکم لا تقاتلون فی سبیل اللہ والمستضعفین من الرجال والنساء والولدان الذین یقولون ربنا اخرجنا من ھذہ القریۃ الظالم اھلھا، واجعل لنا من لدنک ولیاً، واجعل لنا من لدنک نصیرا (النساء ۷۵) آخر کیا وجہ ہے کہ تم اللہ کی راہ میں ان بے بس مردوں، عورتوں اور بچوں کی خاطر نہ لڑو جو کمزور پا کر دبا لئے گئے ہیں۔ اور فریاد کر رہے ہیں کہ خدایا، ہم کو اس بستی سے نکال جس کے باشندے ظالم ہیں اور اپنی طرف سے ہمارا کوئی حامی و مددگار پیدا کر دے۔ وقاتلوھم حتی لا تکون فتنۃ ویکون الدین کلہ للہ۔ اے مسلمانو ان دشمنان حق سے لڑو یہاں تک کہ کوئی فتنہ (راہ حق اختیار کرنے میں رکاوٹ) باقی نہ رہ جائے اور مکمل بالادستی اور اطاعت صرف اللہ کی ہو جائے۔

(۳۵) اصول تدریج۔

تدریج قرآنی حکمت دعوت کا ایک اہم اسلوب ہے۔ کلمۂ طیبہ کے شعوری اقرار کے بعد بلا شبہ ایک انسان کے اندر بنیادی تبدیلی واقع ہو جاتی ہے۔ لیکن اسلام دین فطرت ہے اس لئے بہت

سے اعمال واحکام پر عمل درآمد کے سلسلے میں تدریج کو مدنظر رکھا گیا ہے۔ اسلام کی طرف آنے والے کے اندر یک لخت معیار مطلوب تلاش کرنا غیر حکیمانہ طرز عمل ہے۔ توقع کی جانی چاہیے کہ قلب کی جوہری تبدیلی کے بعد رفتہ رفتہ ایمان کے تقاضوں کی تکمیل بھی ہوگی۔ لہٰذا تقاضوں کی تکمیل میں شدت سے کام نہیں لینا چاہیے۔ جوا، شراب، زنا، روزہ، قسم وغیرہ احکامات میں واضح طور پر دیکھا جا سکتا ہے کہ مخاطب کی ذہنی و نفسیاتی کیفیات کی کس حکمت کے ساتھ رعایت کی گئی ہے۔

انسانی سرشت میں بعض عادات کی گرفت اتنی مضبوط ہو جاتی ہے کہ اکثر ایک تدریج کے ساتھ رفتہ رفتہ ہی اس سے نجات مل پاتی ہے۔ یہی معاملہ احکامات کی قبیت انداز سے عمل آوری کا بھی ہے۔ واضح رہنا چاہیے کہ قرآن ایک حکیمانہ تدریج کے ساتھ تیئس (۲۳) سال کی طویل مدت میں نازل ہوا۔ آنحضور ﷺ کی قیادت میں صحابہ کرامؓ کی اسلامی نہج پر تزکیہ و تربیت اور اسلامی تعلیمات کی تکمیل تیئس سال میں ہوئی۔ اسی طرح ایک انسان کو اسلام سے متعارف کرانے اور اسے تعلیمات اسلامی کا خوگر بنانے کے لئے الاہم فالاہم کے اصول کے تحت تعلیمات سے واقف کرایا جائے گا۔ مخاطب کی ذہنی و عملی کیفیات کے مدنظر بقدر ظرف وضرورت ایک تدریج کے ساتھ راہ حق کے منازل طے کرائے ہوں گے تاکہ وہ فطری رفتار کے ساتھ آگے بڑھ سکے۔ اسے دین میں تنگی نہ محسوس ہو اور اکتاہٹ میں نہ مبتلا ہو۔ اور اسلام کو ناقابل عمل نہ باور کرے۔ صحیح بخاری کی اس حدیث سے اصول تدریج پر واضح روشنی پڑتی ہے۔ آپ نے حضرت معاذؓ کو یمن کا گورنر بنا کر بھیجا تو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا "انک ستاتی قوماً من اهل الکتاب، فاذا جئتهم فادعهم الیٰ ان یشهدوا ان لا اله الا الله وان محمداً رسول الله فان اطاعوا لک بذالک فاخبرهم ان الله قد فرض علیهم خمس صلوات فی کل یوم ولیلة، فان هم اطاعوا لک بذالک فاخبرهم ان الله قد فرض علیهم صدقة توخذ من اغنیائهم فترد الیٰ فقرائهم، فان اطاعوا لک بذالک فایاک وکرائم اموالهم (البخاری ۱۳۹۵،۱۳۰۸،۳۹۹۹) تم عنقریب اہل کتاب کے ایک گروہ کے پاس جا پہنچو گے جب وہاں پہنچ جاؤ تو انہیں اس بات کی دعوت دو کہ وہ اس بات کی گواہی دیں کہ اللہ کے سوا کوئی دوسرا الٰہ نہیں ہے اور حضرت محمد ﷺ اللہ کے رسول ہیں۔ اگر وہ لوگ تمہاری اس دعوت کو قبول کر لیں تو انہیں بتاؤ کہ اللہ تعالیٰ نے شب و روز میں ان پر پانچ نمازیں فرض کی ہیں۔ جب یہ بات بھی تسلیم کر لیں تو انہیں یہ بتاؤ کہ اللہ نے ان پر زکوٰۃ و صدقات کی ادائیگی فرض کی ہے جو ان کے مال داروں سے لے کر انہی کے غرباء و مساکین پر خرچ کی

جائے گی۔ جب یہ بات بھی تسلیم کر لیں تو ان کے اموال پاک ہیں، اب ان کے پاکیزہ اموال لینے سے گریز کرو۔

اس سلسلے میں سورہ روم آیت ۳۹ کے تحت حاشیہ نمبر ۵۹ پر مولانا مودودیؒ نے نفیس بحث کی ہے۔

(۳۶) اصول تکرار۔

قرآن نے تعلیمات کی تلقین، تفہیم اور تذکیر کے لئے کہیں کہیں تکرار کا طریقہ اختیار کیا ہے۔ یہ قرآن کا معجزہ ہے کہ اس مختصری کتاب میں زندگی اور کائنات کے تمام بنیادی حقائق کو اس کے اندر سمو دیا گیا ہے۔ قرآن ناپیدا کنار سمندر ہے جس کی وسعت، گہرائی، اور گیرائی کو سمجھ پانا امر محال ہے۔ جب جس مسئلہ میں رہنمائی کی ضرورت ہو قرآن کی طرف رجوع کیجئے۔ اس میں تدبر کیجئے اور دیکھئے ہر معاملہ میں قرآن رہنمائی فراہم کرتا ہے۔

اس اختصار اور اعجاز کے باوجود ضرورت کے مطابق ایک واقعہ، ایک مسئلہ یا ایک آیت کو کئی بار دوہراتا ہے تاکہ مخاطب اس کے تمام پہلوؤں کو اچھی طرح سمجھ لے اور اس کے دل و دماغ میں تعلیمات نقش ہو جائیں۔ ضرورت تھی کہ انسان اپنی بنیاد اور بنیادی حقائق کو سمجھے لہٰذا قصہ آدم و ابلیس کو مختلف مواقع پر مختلف پیرایہ میں بیان کیا گیا ہے۔ سابقہ امت مسلمہ بنی اسرائیل کا تذکرہ کئی مواقع پر آیا ہے اور ہر موقع پر اپنی منفرد معنویت لئے ہوئے ہے۔ بنی اسرائیل کے جرائم بتکرار بیان کئے گئے ہیں تاکہ لوگ ان کے اثرات بد سے محفوظ رہیں اور عبرت حاصل کریں۔ مغضوب اور ضال قوموں کے حالات مختلف مواقع پر بیان کئے گئے ہیں تاکہ مخاطب غور و فکر کر کے درست رویہ اختیار کرنے پر مجبور ہو جائے۔

صراط مستقیم پر آنے اور مستقل مزاجی کے ساتھ اس پر قائم رہنے کے لئے ضروری تھا کہ اللہ تعالیٰ کی نعمتوں اور اس کے احسانات کا بار بار استحضار ہو لہٰذا پورے قرآن میں قدرت کے کرشمے بتکرار بیان ہوئے ہیں۔ سورۂ رحمٰن میں تو ایسی واضح تکرار ہے کہ سخت دل انسان بھی اللہ کے احسانات و انعامات کو تسلیم کرنے پر مجبور ہو جائے۔ قرآن اصل ماخذ ہدایت ہے لہٰذا قرآن کو بطور تذکیر یا ہدایت نامہ تسلیم کرنے کی تکرار، راہ حق سے انحرافات کے انجام بد کی تکرار، موت اور آخرت کی تکرار، اللہ کی وحدانیت کی تکرار۔ اس طرح دیکھا جائے تو اصول اور بنیادی تعلیمات جس کی ذہن نشینی انسانی زندگی کی تعمیر میں اہم کردار ادا کرنے کی قوت و صلاحیت رکھتی ہے قرآن نے بڑی حکمت اور معنویت کے ساتھ جگہ جگہ اس اصول کا استعمال کیا ہے۔ جہاں بھی تکرار کے اصول کو اختیار کیا گیا ہے

کہیں ذہنی بوجھ محسوس نہیں ہوتا ہے، ہر جگہ نئے اسلوب اور نئے پیرائے میں اس کا استعمال ہوا ہے۔

قرآنی اسلوبِ دعوت کا یہ اہم باب ہے۔ داعی کو اپنا پیغام مخاطب کے دل و دماغ میں اتارنے کے لئے حسبِ ضرورت اس اسلوب کا بھرپور استعمال کرنا چاہئے۔ آنحضور ﷺ اہم امور کی جانب صحابہؓ کو متوجہ کرنے کے لئے اکثر یہ طریقہ اپناتے تھے۔

(۳۷) استعانت بالصبر والصلوٰۃ۔ (ثابت قدمی، مستقل مزاجی، استقلال و استمرار، تعلق باللہ، دعا، مناجات، روحانی قوت وغیرہ)

قرآن نے راہِ حق کے مسافر کے لئے صبر اور نماز سے سہارا لینے کی تلقین کی ہے۔ راہِ حق کی نہایت اہم منزل دعوت الی اللہ ہے۔ یہ اس راہ کی ابتدائی اور آخری منزل ہے۔ ہر مرحلہ پر یہ فریضہ انجام دینا ہوتا ہے۔ لہٰذا داعی کو ہمیشہ ان بنیادی ہدایات کو اپنے پیشِ نظر رکھنا چاہئے اور اپنے کاموں میں ان دونوں چیزوں سے غذا حاصل کرتے رہنا چاہئے۔

صبر کے معنی ہیں ثابت قدمی، مستقل مزاجی، استقلال و استمرار، مخالفانہ حرکتوں پر غضبناک نہ ہونا، اور ہوش و خرد کے دامن کو کسی لمحے ترک نہ کرنا۔ ظاہر ہے اپنی بات ایسے فرد تک پہنچانی ہے جو اس سے نامانوس ہے اور اپنی اس اجنبیت کا جواب وہ مختلف انداز سے دے سکتا ہے۔ اگر صبر کی صفت داعی کے اندر ہوگی تو بلاشبہ دیر یا سویر وہ اپنے مقصد میں کامیاب ہوگا بصورتِ دیگر پہلے ہی مرحلہ میں ناکام ہو جائے گا۔

اسی طرح نماز کا معاملہ ہے۔ نماز دراصل روحانی قوت اور تعلق باللہ کی علامت ہے۔ اور روحانی قوت داعی کا عظیم ترین سرمایہ ہے۔ بسا اوقات داعی بظاہر کوئی دعوت نہیں دیتا ہے مگر اس کے وجود سے پھوٹنے والی روحانی کرنیں لوگوں کے دل و دماغ کو روشن کر دیتی ہیں۔ قدم قدم پر ایسے مواقع آتے ہیں کہ اپنی کم مائیگی کے سبب تھک ہار کر ہمت توڑ بیٹھتا ہے مگر اصل سرچشمۂ قوت ذاتِ باری تعالیٰ سے قلبی لگاؤ ہر آن اس کے اندر نئی تازگی اور نئی قوت پیدا کر دیتی ہے۔ اور وہ ہر دم رواں دواں نئے تگ و تاز کے ساتھ اپنا کام جاری رکھتا ہے۔ کیونکہ اس کے دل و دماغ میں جلوۂ ذات کی تجلیاں کوندتی رہتی ہیں اور محبوب کی رضا کے لئے ساری قوتِ حیات لٹا کر بھی اسے تشفی نہیں ہوتی۔ ,, یا ایھا الذین امنوا استعینوا بالصبر والصلوۃ ان اللہ مع الصابرین ،، اے مومنو (اپنے فرائضِ منصبی کی ادائگی میں) صبر و نماز کے ذریعہ قوت حاصل کرو۔ بے شک اللہ تعالیٰ صبر کرنے والوں کے ساتھ ہوتا ہے۔ (البقرۃ ۱۵۳)

(۳۸) تعلق باللہ سورہ مزمل کے آئینے میں۔

اللہ سے تعلق جتنا زیادہ گہرا اور مضبوط ہوگا اسی تناسب سے فرائض کی ادائگی میں سہولت اور برکت ہوگی۔ حضرت محمد ﷺ کو کارِ نبوت تفویض کرتے وقت اللہ تعالیٰ نے سورۂ مزمل نازل فرما کر بطورِ خاص درج ذیل امور کی انجام دہی کی تلقین فرمائی لہٰذا ہر وہ فرد جو کارِ نبوت کی انجام دہی کے لئے اٹھے اسے ان باتوں کا التزام کرنا چاہئے۔

۱۔ **تہجد:** تعلق باللہ کا اہم ترین ذریعہ قیام لیل (تہجد) کا اہتمام ہے۔ رات کی تنہائیوں میں جب مالکِ کل کے حضور آہ و زاری، مناجات اور فریاد ہوتی ہے تو اللہ تعالیٰ کا دستِ رحمت آپ کو سہارا دیتا ہے اور ذمہ داریوں کی ادائگی آسان اور سہل ہو جاتی ہے۔

۲۔ **ذکر:** تعلق باللہ کے لئے اس بات کی کوشش ہونی چاہئے کہ قلب و زبان ہمہ آن ذکرِ الٰہی سے تر رہے۔ شبانہ روز کے اذکار و وظائف کا التزام کیا جائے۔ دل کسی لمحہ یادِ الٰہی سے غافل نہ ہونے پائے۔ مختلف اوقات کے اذکارِ مسنونہ یاد کر لئے جائیں اور ایک ترتیب کے ساتھ انہیں وظیفۂ حیات بنا لیا جائے۔

۳۔ **تلاوت:** اللہ سے تقرب کا اہم ترین وسیلہ اس کی کتاب سے لگاؤ ہے۔ قرآن میں ڈوب کر حالتِ وجد میں ترتیلِ قرآن کا ذائقہ ناقابلِ بیان ہے۔ قرآن کی معیت اللہ کی معیت کے مثل ہے۔

۴۔ **سبح طویل:** زندگی میں فرائضِ منصبی کی ادائگی کے بغیر تہجد، اذکار و نوافل اور ترتیل و تلاوت میں جان نہیں آسکتی۔ یہ سب کچھ اسی لئے تو ہے کہ محبوب کی رضا کے حصول کی تڑپ پیدا ہو یہی تڑپ دعوتِ دین کے لئے بے قرار کر دیتی ہے۔

۵۔ **توکل:** توکل ایمان باللہ کی ایک اہم منزل ہے۔ اللہ سے وابستگی کے ساتھ یہ صفت ضرور پیدا ہونی چاہئے کہ آدمی راضی برضا ہو جائے۔ اور اللہ کے فیصلہ پر مکمل بھروسہ کرنے لگے۔ ایک وفادار غلام کی طرح جان توڑ کر اپنا کام کرے اور نتیجہ اللہ پر چھوڑ دے۔ بلاشبہ اس کی حکمت کا راز اسی پر عیاں ہے۔

۶۔ **صبر:** ہر طرح کے حالات و ظروف سے بے نیاز ہو کر کام کیا جائے۔ حالات کی ناساعدت کو ڈھال بنا کر پہلو تہی نہ اختیار کی جائے۔ ثابت قدمی اور مستقل مزاجی کے ساتھ ہمیشہ مورچہ بند رہا جائے۔

۷۔ھجر جمیل: مخاطبین کی جانب سے انتہائی نامناسب رویہ پیش آنے پر حکمت کے ساتھ پہلوتہی اختیار کرلی جائے۔نامناسب ردعمل سے آگے اپنا کام جاری رکھ کر آئندہ کے لئے دعوت کا راستہ نہ مسدود کیا جائے۔ادفع بالتی ھی احسن بھی اس عمل کا حصہ ہے۔

۸۔ اقامت صلوٰۃ: ظاہری وباطنی تمام آداب کے ساتھ نماز کا اہتمام واحترام مومن کی طاقت وہمت کا سرچشمہ ہے۔اس سے غافل ہونے پر ساری عمارت کی چول ڈھیلی ہوجاتی ہے۔نماز مومنانہ اور داعیانہ زندگی کے بقاوتحفظ کا پائیدار اور نفیس لباس ہے۔

۹۔ایتائے زکوٰۃ: جوہر تقویٰ کی آبیاری اور تزکیہ نفس کے لئے قلوب کے اندر سے مال کی محبت کا نکلنا ضروری ہے۔ہمارے پاس مال اللہ کی امانت ہے اس مال کے حقیقی مالک کے اشارے پر نچھاور کرنا ہمارا کام ہے۔

۱۰۔اقراض اللہ: ہر وہ شے جس پر اللہ نے ہمیں تصرف کا حق دیا ہے مکمل طور پر اس کے حوالے کردیا جائے۔اللہ کے دین کی اقامت اور نصرت کے لئے بے دریغ خرچ کردینے کی کیفیت پیدا ہوجائے۔

۱۱۔استغفار:

جان دی دی ہوئی اس کی تھی حق تو یہ ہے کہ حق ادا نہ ہوا

شعوری اور غیر شعوری طور پر اتنی تقصیرات کا صدور ہوتا رہتا ہے کہ اگر مولائے کریم کی دامن رحمت کی پناہ گاہ نہ ہو تو ہلاکت وبربادی یقینی ہے۔

(۲۹)حسن سلوک۔

مولانا صدرالدین اصلاحیؒ نے اپنی تفسیر تیسیر القرآن میں سورۂ بقرہ آیت ۸۲ کی تشریح کرتے ہوئے لکھا ہے "اسلامی ضابطۂ معاشرت واخلاق کی یہ ایک بنیادی دفعہ ہے کہ ہر انسان کے ساتھ بھلائی کا سلوک کرو۔تعلقات کے مدارج کا لحاظ اس سلوک میں تو ضرور کرنا چاہئے لیکن دنیا کا ہر انسان قطع نظر اس سے کہ اس کا نام، وطن اور مذہب،عقیدہ کیا ہے اس بات کا حق رکھتا ہے کہ اس کے ساتھ بھلا سلوک، انسانیت اور مروت کا سلوک کیا جائے۔چنانچہ اس آیت میں ترتیب وار جن لوگوں کا ذکر آیا ہے ان میں سے کسی کے ساتھ مسلم وغیر مسلم کی کوئی قید نہیں لگائی گئی ہے۔بلکہ عام حکم دیا گیا ہے۔یہ وہ احکام ہیں جو ہمیشہ سے اسلامی نظام معاشرت کی ریڑھ کی ہڈی رہے ہیں۔حضرت موسیٰ کیا حضرت آدم کے زمانے سے ہر داعی اسلام ان ہی بنیادوں پر انسانیت کی تعمیر کرتا رہا ہے۔ص ۱۲۳"

حقوق العباد اسلامی تعلیمات کا اہم حصہ ہے اور یہ حصہ حسن سلوک کا شاہکار ہے۔والدین، اولاد، دور ونزدیک کے اعزہ واقارب، پڑوسی، مسافر، مستقل ہمراہ اور عارضی ساتھی، غرضیکہ سماج کے ہر طبقہ کے لئے واضح حقوق کی نشاندہی کی گئی ہے۔حقوق کے تعین میں نہ صرف کامل عدل وتوازن کو مدنظر رکھا گیا ہے بلکہ آگے اپنے حقوق سے دست بردار ہوکر دوسروں کے ساتھ حسن سلوک کی تعلیم دی گئی ہے۔

بلاشبہ حسن سلوک انسانی کردار کا وہ روشن باب ہے جس نے ہمیشہ انسانی قلوب کو مسخر کیا ہے۔یہ براہ راست انسانی قلب پر دستک دیتا ہے۔اور وہاں اپنے لئے جگہ بنالیتا ہے۔اس کی ضرب اتنی کاری ہوتی ہے کہ سخت سے سخت دل انسان متاثر ہوئے بغیر نہیں رہ سکتا۔مخاطب کو رام کرنے اور ہم نوا وہم فکر بنانے میں دعوت کے اس عملی اسلوب کی کوئی نظیر نہیں ہے۔سیدنا حضرت محمد ﷺ اور صحابہ کرامؓ کی سیرتوں میں بے شمار مثالیں موجود ہیں۔داعی کو ان سے استفادہ کرتے رہنا چاہئے۔

"واذ اخذنا میثاق بنی اسرائیل لا تعبدون الا اللہ و بالوالدین احساناً وذی القربیٰ والیتمیٰ والمساکین وقولوا للناس حسناً واقیموا الصلوٰۃ و آتوا الزکوٰۃ، ثم تولیتم الا قلیلاً منکم وانتم معرضون . یادکرو، اسرائیل کی اولاد سے ہم نے پختہ عہد لیا تھا کہ اللہ کے سوا کسی کی عبادت نہ کرنا، ماں باپ کے ساتھ، رشتہ داروں کے ساتھ، یتیموں اور مسکینوں کے ساتھ نیک سلوک کرنا، لوگوں سے بھلی بات کہنا، نماز قائم کرنا اور زکوٰۃ دینا مگر تھوڑے آدمیوں کے سوا تم سب اس عہد سے پھر گئے اور اب تک پھرے ہوئے ہو۔(البقرۃ ۸۳)

☆☆☆

فرح و سرور

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

قل بفضل اللہ ورحمتہ فبذلک فلیفرحوا.

فرح کے مقابلہ میں سرور زیادہ بے داغ ہوتا ہے کیونکہ فرح میں بسا اوقات غم بھی شامل وشریک ہوتا ہے، اسی وجہ سے قرآن میں فرح کا استعمال دنیاوی خوشی کے لئے متعدد مقامات پر ہوا ہے اور سرور کا استعمال دو مقامات پر آخرت کی خوشی کے لئے ہوا ہے۔

تاریخ سے متعلق علامہ عبدالحی فرنگی محلی کی کتابوں کا تعارف

ولی اللہ مجید قاسمی☆☆

زندگی ایک سفر کا نام ہے اور دنیا ایک مسافر خانہ ہے، جہاں انسان تھوڑی دیر کے لئے رکتا ہے اور پھر اپنی منزل کی طرف روانہ ہو جاتا ہے، اس مسافر خانے میں کچھ ایسے لوگ بھی آکر ٹھہرتے ہیں جو جانے کے بعد بھی موجود رہتے ہیں۔ دلوں میں ان کا نقش اور زبانوں پر ان کے تذکرے ہوتے ہیں، تاریخ اور تذکرے کی کتابیں اسی لئے لکھی جاتی ہیں تاکہ ان کا نقش قدم محفوظ رہے، جن راہوں پر چل کر انھوں نے کامیابی حاصل کی ہے، دوسرے لوگ بھی کامیابی حاصل کرنے کے لئے اسی راستے کو اپنائیں، ان کی خوبیوں اور اچھائیوں، ان کی عظمتوں اور خصوصیتوں پر نظر رہے تاکہ انھیں اپنی زندگی میں لایا جا سکے، خامیاں اور ناکامیاں بھی معلوم رہیں تاکہ ان سے بچا جا سکے۔ ان کے مراتب اور مدارج سے بھی آگاہی رہے تاکہ ہر شخص کو اس مرتبے اور درجے پر رکھا جا سکے، تاریخ پیدائش اور وفات نیز ان کا زمانہ اور اس وقت کے حالات سے واقفیت رہے تاکہ ان کی مختلف رایوں کے درمیان تطبیق دی جا سکے اور متقدم و متاخر کے بارے میں معلوم ہو سکے۔ ان کے آثار، حکایات، فیوضات اور تصنیفات سے متعلق علم رہے تاکہ ان کی سیرت کو اپنانے کا جذبہ اور شوق بیدار ہو۔

علم تاریخ و رجال کے یہ وہ فوائد ہیں جو علامہ عبدالحی فرنگی محلی نے اپنی کتاب "فوائد بہیہ" کے شروع میں لکھے ہیں۔ یہ کتاب درحقیقت علامہ محمود سلیمان لکھنوی کی کتاب "کتائب اعلام الاخیار فی طبقات فقہاء مذہب النعمان المختار" کی تلخیص ہے۔ یہ ابھی تک مخطوطہ کی شکل میں ہے اور زیور طباعت سے آراستہ نہ ہو سکی ہے۔ علامہ لکھنوی دسویں صدی ہجری کے علماء میں سے ہیں۔ انھوں نے اس کتاب میں امام ابوحنیفہؒ سے لے کر اپنے زمانے تک کے مشہور علماء حنفیہ اور بزرگان کا تعارف کرایا ہے۔ علامہ فرنگی محلی نے اس کتاب کی تلخیص کے ساتھ بہت سی اہم چیزوں کا اضافہ بھی کیا ہے۔ شروع میں ایک طویل مقدمہ لکھا ہے، جو فقہ کی تاریخ، تعریف، اہمیت اور طبقات فقہاء پر مشتمل ہے۔ کتاب کی تلخیص کے ساتھ مفید اضافے بھی ہیں اور بعض جگہوں پر علامہ لکھنوی پر تنقید

☆☆ استاذ حدیث و فقہ جامعۃ الفلاح

اور ان سے اختلاف بھی کیا ہے۔ ختم کتاب پر الگ سے دو "فصل" لکھی ہے، جن میں ان لوگوں کے ناموں کی تعیین کی گئی ہے جنھیں رجال کی کتابوں میں مبہم طور پر ان کی صفت، نسبت یا کنیت وغیرہ سے ذکر کیا گیا ہے اور دوسری فصل "علم رجال" سے متعلق مختلف فوائد اور لطائف پر مشتمل ہے۔

علامہ لکھنوی کی کتاب میں پانچ سو چھبیس فقہاء کرام اور علماء عظام کا تذکرہ ہے اور ذیلی طور پر سترہ لوگوں کے نام آئے ہیں۔ علامہ فرنگی محلی نے چالیس نئے ناموں کا اضافہ کیا ہے اور بعض لوگوں کے تذکرے خاتمہ میں آئے ہیں، اس طرح سے پوری کتاب چھ سو چار شخصیات کے تعارف پر مشتمل ہے، جس میں تاریخ پیدائش اور وفات، تالیفات و تصنیفات اور اساتذہ و تلامذہ کے تذکرے کا اہتمام کیا گیا ہے، خوبیوں کے ساتھ خامیوں کا بھی تذکرہ ہے، امیر کاتب اتقانی کے خود ستائی پر مشتمل جملوں کی خوب خبر لی گئی ہے، یہی وہ صاحب ہیں جن کا خیال ہے کہ رکوع میں جاتے اور اٹھتے ہوئے "رفع یدین" کرنے سے نماز فاسد ہو جاتی ہے، علامہ فرنگی محلی نے ان کے اس نقطہ نظر پر بھی کتاب میں متعدد جگہ تفصیلی روشنی ڈالی ہے اور پرزور انداز میں اس غلط رائے کی تردید کی ہے۔

اور عصام بن یوسف کے تذکرے میں لکھا ہے کہ یہ امام ابویوسف کے خصوصی تلامذہ میں سے ہیں اور رکوع میں جاتے اور اس سے اٹھتے ہوئے "رفع یدین" کیا کرتے تھے، علامہ فرنگی محلی اس واقعہ کو نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں کہ

> "اس سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اگر کوئی حنفی کسی مسئلے میں قوت دلیل کی وجہ سے اپنے امام کی رائے کے برخلاف رائے اختیار کرتا ہے تو وہ تقلید سے باہر نہیں ہوگا، بلکہ ترک تقلید کی شکل میں یہ عین تقلید ہے..... ہمارے زمانے کے جہلاء اس شخص پر زبان طعن دراز کرتے ہیں جو کسی مسئلے میں دلیل کی بنیاد پر امام کی تقلید نہیں کرتا ہے، عام لوگوں کی طرف سے اس طرح کی بات بہت زیادہ تعجب خیز نہیں ہے لیکن تعجب ان لوگوں پر ہے جنھوں نے علماء کی شباہت اختیار کی ہے، لیکن عوام کی طرح وہ بھی جانوروں کی روش اختیار کئے ہوئے ہیں۔"

تاریخ سے متعلق تالیفات کی تعداد

شیخ ابوغدہ نے تاریخ اور رجال سے متعلق ان کی درج ذیل کتابوں کا تذکرہ کیا ہے:

[۱] الفوائد البہیہ [۲] التعلیقات السنیۃ علی الفوائد البہیۃ [۳] مقدمہ الہدایہ [۴] مذیلۃ الدرایۃ [۵] النافع الکبیر مقدمہ الجامع الصغیر [۶] مقدمہ السعایہ [۷] مقدمہ عمدۃ الرعایۃ

[۸] مقدمہ التعلیق الممجد [۹] خیر العمل بشرطه فرنگی محل [۱۰] النصیب الاوفر فی تراجم العلماء الماۃ الثالثۃ عشر [۱۱] ابناء الخلاف بابنا هندوستان [۱۲] ابراز الغی فی شفاء العی [۱۳] تذکرة الراشد برد تبصرة الناقد [۱۴] طرب الاماثل بتراجم الافاضل [۱۵] حسرة العالم بوفاة مرجع العالم (مقدمہ الرفع والتکمیل / ۲۲-۲۳ از عبدالفتاح)

ان میں سے بعض کتابوں کا تعارف پیش خدمت ہے۔

۱۔ النافع الکبیر مقدمة الجامع الصغیر

امام محمد کی مشہور کتاب "جامع صغیر" کے تعارف اور جائزے پر مشتمل ایک مختصر مگر جامع اور نافع مقدمہ ہے جو چار فصلوں اور ایک خاتمہ پر مشتمل ہے۔

پہلی فصل میں فقہاء کے طبقات اور فقہی کتابوں کے درجات کا تذکرہ ہے، عام طور پر فقہاء کے طبقات میں جن لوگوں کا نام آتا ہے اس پر بے اطمینانی کا اظہار کیا ہے۔ مجتہد کی مشہور تین قسموں (مجتہد مطلق، مجتہد منتسب، مجتہد فی المذہب) کے بیان کے بعد لکھا ہے کہ بحر العلوم لکھنوی کہتے ہیں کہ عام طور پر یہ خیال پایا جاتا ہے کہ ائمہ اربعہ کے بعد اجتہاد مطلق کا دروازہ بند ہو گیا ہے اور امت پر ان میں سے کسی ایک کی تقلید واجب ہے۔ یہ بے دلیل اور ہوس پرستی ہے۔ ان کی باتوں کا کوئی اعتبار نہیں ہے۔ ایسے لوگ ان میں شامل ہیں جن کے متعلق حدیث میں کہا گیا ہے کہ وہ بغیر جانے بوجھے فتویٰ دیں گے، گمراہ ہوں گے اور دوسروں کو بھی گمراہ کریں گے۔ کیا انھیں یہ معلوم نہیں کہ یہ غیب کی بات ہے جو ان پانچ چیزوں میں شامل ہے جنھیں اللہ تعالیٰ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ علامہ فرنگی محلی اسے نقل کرنے کے بعد لکھتے ہیں کہ

> "حاصل یہ ہے کہ جاہلوں کا یہ دعویٰ ہو کہ ائمہ اربعہ کے بعد اجتہاد مطلق اور مستقل کا دروازہ اس طرح بند ہو گیا ہے کہ اب اس کا کھلنا ناممکن ہے تو وہ غلطی پر ہے، کیونکہ اجتہاد اللہ کی عطا ہے اور رحمت خداوندی کسی زمانے کے ساتھ خاص نہیں ہوتی ہے۔ ائمہ اربعہ کے بعد بھی مجتہد مطلق پیدا ہوئے ہیں جیسے داؤد ظاہری، امام بخاری وغیرہ۔"

دوسری فصل میں جامع صغیر کی اہمیت پر روشنی ڈالی گئی ہے اور تیسری فصل میں امام محمد، ابو یوسف اور امام ابو حنیفہ کی سیرت ذکر کی گئی ہے، چوتھی فصل میں جامع صغیر کے شارحین، مرتبین اور ناظمین کا تذکرہ ہے اور چونتیس شخصیات کا تعارف کرایا ہے اور خاتمہ خود نوشت سوانح حیات پر مشتمل ہے۔

امام ابو حنیفہ کے تذکرے میں لکھا ہے کہ بعض حنفیوں کا یہ حال ہے کہ وہ ہر حال میں امام کے اقوال اور فتاویٰ سے چمٹے رہتے ہیں گرچہ وہ صحیح حدیث کے مخالف ہی کیوں نہ ہو اور اپنے اس طرز عمل کی یہ تاویل کرتے ہیں کہ اگر حدیث صحیح ہوتی تو صاحب مذہب ضرور اس پر عمل کرتے اور اس کے خلاف فتویٰ نہ دیتے۔ صاحب مذہب کا اس کے برخلاف فتویٰ دینا اس حدیث کے صحیح نہ ہونے کی دلیل ہے، یہ جہالت کی بات ہے، اس لئے کہ قابل اعتماد لوگوں نے امام ابو حنیفہ سے روایت کی ہے کہ حدیث کو ان کی رائے پر مقدم رکھا جائے۔ لہٰذا جو رائے حدیث کے برخلاف ہو اسے چھوڑ دینا ہی صحیح رائے ہے اور عین تقلید ہے نہ کہ ترک تقلید۔

۲-مقدمة الهداية

یہ مقدمہ چھ فصلوں پر مشتمل ہے اور ہر فصل کو انھوں نے "ہدایہ" کے عنوان سے ذکر کیا ہے، پہلی ہدایہ میں مولف ہدایہ کا تعارف اور ان کی تصانیف کا ذکر ہے۔ دوسری اور تیسری ہدایہ میں صاحب ہدایہ کی بعض اصطلاحات کی تشریح اور فروگذاشتوں کا بیان ہے، چوتھی ہدایہ میں "ظاہر الروایہ" سے کیا مراد ہے، اس کی وضاحت کی گئی ہے۔ پانچویں ہدایہ میں ہدایہ کی آخری دو جلدوں میں مذکور شخصیات کا تعارف ہے اور حروف تہجی کے اعتبار سے ۹۸ علماء اور فقہاء کا تذکرہ ہے، جس میں اختصار اور جامعیت کے ساتھ تاریخ پیدائش و وفات، تصنیفات اور خصوصیات کا ذکر ہے اور چھٹی ہدایہ میں علامہ محلی نے صاحب ہدایہ تک اپنی بعض سندوں کو بیان فرمایا ہے۔

۳-مذيلة الدراية لمقدمة الهداية

یہ کتاب بھی متعدد ہدایات پر مبنی ہے۔ پہلی ہدایہ میں لوگوں کا تعارف ہے۔ دوسری ہدایہ میں ہدایہ میں مذکور مبہم اور غیر واضح ناموں اور جگہوں کی وضاحت کی گئی ہے۔ تیسری ہدایہ میں بعض قبائل، فرقوں اور ادیان کا تذکرہ ہے جیسے بنو تمیم، قریش، خوارج، یہود و نصاریٰ اور ان کی کل تعداد انیس ہے۔ چوتھی ہدایہ میں کتاب میں مذکور جگہوں اور شہروں کی تعیین کی گئی ہے۔ اس ہدایہ میں انھوں نے "بدر" نامی جگہ کے تذکرے میں لکھا ہے کہ

> "اس جگہ کے متعلق یہ بڑی عجیب و غریب بات ہے کہ یہاں غزوہ بدر کے بعد سے قیامت تک فتح و نصرت کا نقارہ بجایا جاتا رہے گا۔ متعدد بزرگوں نے یہاں نقارے کی آواز سنی ہے اور بہت سے سربرآوردہ لوگوں نے اسے نقل کیا ہے۔ لہٰذا بعض ناقابل احترام لوگوں کے انکار کی کوئی حیثیت نہیں ہے، اس لئے کہ کسی شخص

کا جانا اس کے خلاف حجت ہے جو نہ جانے۔"

کشف سے معلوم ہونے والی چیزوں کو علم، یقین اور قطعیت کا درجہ دینے کا جو خطرناک انجام ہوسکتا ہے، اسے اس عبارت میں دیکھا جاسکتا ہے۔

حجر اسود کے تعارف میں حضرت عمرؓ کا مشہور مقولہ نقل کیا ہے "انی اعلم انک حجر لاتنفع و لاتضر ......" مجھے معلوم ہے کہ تو پتھر ہے، تیرے ہاتھ میں نہ تو نفع ہے نہ ضرر۔ اگر اللہ کے رسول ﷺ کو تجھے چومتے ہوئے نہ دیکھتا تو میں تجھے ہرگز بوسہ نہ دیتا۔ یہ مشہور روایت ہے اور صحیح سندوں سے مروی ہے اور حجر اسود کے بوسے کے سلسلے میں اسلامی عقیدے کی بھرپور ترجمانی کرتی ہے۔ لیکن علامہ عبدالحی فرنگی لکھنوی نے ایک ضعیف بلکہ موضوع حدیث کا سہارا لے کر نہ معلوم کیوں اسے رد کرنے کی کوشش کی ہے۔ حاکم کی روایت میں ہے کہ حضرت عمرؓ نے جب یہ جملہ کہا تو قریب ہی میں حضرت علیؓ بھی موجود تھے وہ بول پڑے کہ ہرگز نہیں، حجر اسود نفع، نقصان پہنچاتا ہے۔ اللہ تعالیٰ نے انسان سے عہد و میثاق لینے کے بعد اسے لکھ کر حجر اسود کے سینے میں محفوظ کردیا ہے اور قیامت کے دن حجر اسود اس طرح سے آئے گا کہ اس کی دو آنکھیں اور ایک زبان ہوگی اور اس کے لئے گواہی دے گا جس نے اس عہد کے ساتھ وفاداری کی ہوگی، حاکم جو کسی حدیث پر حکم لگانے کے سلسلہ میں سہولت پسند اور جلد باز واقع ہوئے ہیں، انھوں نے بھی اسے نقل کرنے کے بعد خاموش رہنے ہی میں عافیت سمجھی ہے، لیکن ذہبی نے صراحت کردی ہے کہ اس حدیث کو حضرت ابوسعید خدریؓ سے نقل کرنے والا ابوہارون ساقط ہے، اس کے نیچے کے راویوں کا حال اور بھی برا ہے۔ (دیکھئے مستدرک حاکم ۱/ ۴۵۸)

ہندوستان کے تذکرے میں لکھا ہے کہ

"وهو الاقليم الذى هبط فيه آدم على نبينا و عليه الصلوٰة والسلام و حل فيه نور سيدنا محمد ﷺ اولا۔"

یہ وہ ملک ہے جہاں آدم (ہمارے نبی پر اور ان پر درود و سلام ہو) آسمان سے اتارے گئے اور یہیں پر سب سے پہلے نور محمدی ان کے اندر داخل ہوا۔

اس فصل میں ۵۹ شہروں اور بستیوں کا تذکرہ ہے اور کتاب کے آخر میں صاحب ہدایہ کی مسامحات کا ذکر ہے۔

مقدمہ ہدایہ میں امام شافعیؒ کے تذکرے میں لکھا ہے کہ علامہ لکھنوی کے والد سے دوران سفر ایک مشہور مورخ، محدث اور شافعی عالم عبداللہ بن عقیل نے بطور مزاح کہا کہ جس دن امام شافعی کی

پیدائش ہوئی ہے وہی دن امام ابوحنیفہؒ کی وفات کا دن ہے۔ اسے شافعی اور حنفی الگ الگ زاویہ نظر سے دیکھتے ہیں، شوافع کہتے ہیں کہ جب ہمارے امام ظاہر ہوئے تو تمہارے امام بھاگ کھڑے ہوئے، حنفیہ کہتے ہیں کہ تمہارے امام ڈر کی وجہ سے چھپے ہوئے تھے جب ہمارے امام رخصت ہوگئے تب باہر نکلے۔ علامہ لکھنوی کے والد نے کہا کہ یہ سوچ عصبی ذہن کی پیداوار ہے۔ ہمارے لئے دونوں ہی قابل اعتماد اور لائق احترام ہیں۔ جب ابوحنیفہ کی ضرورت تھی اللہ نے ان کو باقی رکھا اور جب ان کی ضرورت نہیں رہی اور ان سے جو کام لیا جانا تھا وہ پورا ہوگیا تو اللہ نے انھیں اپنے پاس بلالیا اور امام شافعیؒ نے آکر ان کے کام کو آگے بڑھایا۔

اس واقعہ سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ اسلاف کے احترام کے سلسلہ میں علامہ لکھنوی اور ان کے والد کس درجہ حساس تھے اور مزاح میں بھی بے احترامی پر مبنی جملہ انھیں گوارا نہیں تھا۔

4- مقدمه عمدة الرعايه

یہ مقدمہ دو دراسات پر مشتمل ہے، پہلے میں اللہ کے رسول ﷺ کے عہد مبارک سے علامہ لکھنوی کے زمانے تک علم کی اشاعت کا ذکر ہے۔ دوسرے میں حنفی فقہاء کے طبقات کا بیان ہے اور تیسرے میں طبقات مسائل کی تشریح ہے، جبکہ چوتھا " دراسہ " مفتی اور مصنف سے متعلق مختلف فوائد پر مشتمل ہے۔ فتاوے کے لئے کونسی کتابیں معتبر ہیں اور کونسی غیر معتبر اس پر سیر حاصل بحث ہے، خصوصاً "خلاصہ کیدانی" پر تفصیلی روشنی ڈالی گئی ہے۔ اس میں اس بات پر بھی گفتگو کی گئی ہے کہ فقہی کتابوں میں مذکور احادیث پر کہاں تک اعتماد کیا جاسکتا ہے، علامہ لکھنوی لکھتے ہیں کہ فقہی کتابوں میں مذکور احادیث پر مکمل اعتماد نہیں کیا جاسکتا ہے، کیونکہ فقہ کی معتبر اور مستند کتابوں میں ضعیف اور موضوع حدیثوں کی ایک بڑی مقدار موجود ہے جیسے:

(الف) لسان اهل الجنة العربية

جنت والوں کی زبان عربی ہوگی۔

(ب) من صلى خلف عالم تقى فكانما صلى خلف نبى

جس نے کسی متقی عالم کے پیچھے نماز پڑھی گویا اس نے کسی نبی کی امامت میں نماز پڑھی۔

(ج) علماء امتى كانبياء بنى اسرائيل

میری امت کے علماء بنی اسرائیل کے نبیوں کی طرح ہیں۔

اور اس کی وجہ انھوں نے یہ بیان کی ہے کہ ہر فن کے لئے کچھ لوگ مخصوص ہوتے ہیں:

چونکہ فقہاء کی پوری توجہ مسائل کے استنباط اور استخراج کی طرف ہوتی ہے اس لئے وہ اس پہلو کی رعایت نہیں کرپاتے۔

واضح رہے کہ خود علامہ محلی کے یہاں بھی کبھی اس طرح کی چیزیں پائی جاتی ہیں ان کے حواشی، مقدمات اور تعلیقات میں بھی کسی وضاحت کے بغیر ضعیف بلکہ موضوع حدیث مل جاتی ہے، اس کی دو ایک مثالیں آچکی ہیں۔ خود اسی مقدمہ کے شروع میں انھوں نے یہ حدیث نقل کی ہے۔

اصحابی کالنجوم بایهم اقتدیتم اهتدیتم

اور انھیں اعتراف بھی ہے کہ محدثین کے یہاں یہ حدیث ضعیف ہے، لیکن اسی کے ساتھ یہ بھی کہتے ہیں کہ مختلف لوگوں کے کشف کے ذریعہ اس کی صحت ثابت ہوتی ہے۔ اسانیده وان کانت ضعیفة لکنه صحیح عند اهل الکشف حالانکہ ''آثار مرفوعہ'' وغیرہ میں خود انھوں نے صراحت کی ہے کہ حدیث کی صحت کو جاننے کے لئے کسی کا کشف کوئی معیار نہیں ہے اور یہ ایک اجماعی اور اتفاقی چیز ہے، شاید ہی اس میں کسی کا اختلاف ہو، اگر کسی حدیث کی اصلیت اور صحت کو جاننے کے لئے یہی معیار ہے تو پھر علم رجال کی کتابوں اور جرح وتعدیل کے اصولوں کو ایک طرف رکھ کر کسی صاحب کشف کو پاکر تحقیق کرلینا چاہئے۔

پانچواں ''دراسہ'' فقہ حنفی کی کتابوں کے مطالعہ کرنے والوں کے لئے چند فوائد نافعہ پر مشتمل ہے، چھٹے میں صاحب ''وقایہ'' اور شارح ''وقایہ'' کا تعارف ہے اور ساتویں میں دس ایسے لوگوں کا تذکرہ ہے جنھوں نے وقایہ کی شرح کی ہے اور آٹھویں میں چالیس لوگوں کی ایک طویل فہرست ہے جنھوں نے وقایہ پر حاشیہ آرائی کی ہے، جس میں ان کے والد اور والد کے چچا کا تفصیلی تذکرہ ہے اور خود نوشت سوانح حیات بھی ہے۔ آٹھویں میں ان اکسٹھ لوگوں کا تذکرہ ہے جن کا نام کسی بھی حیثیت سے وقایہ یا شرح وقایہ میں آیا ہے۔

۵- مقدمة التعليق الممجد

موطا امام مالک بروایت امام محمد پر علامہ فرنگی محلی کا حاشیہ ایک شاہکار اور بے مثال یادگار ہے۔ اگر ان کی صرف یہی ایک کتاب ہوتی تو ان کی عظمت ورفعت کے لئے کافی ہوتی۔ تقلید کے دائرے میں رہتے ہوئے تحقیق کا حق کیسے ادا کیا جاسکتا ہے؟ عصبیت سے بے زاری اور حق کی طرفداری کیا چیز ہوتی ہے؟ بے لاگ تجزیہ کسے کہتے ہیں؟ ان سب سوالوں کا جواب آپ کو اس کتاب سے مل سکتا ہے۔ اس کتاب میں حدیث کے تقریباً چار سو ساٹھ راویوں کا تذکرہ ہے، ان کے

تذکرے میں کن چیزوں کا خیال رکھا گیا ہے؟ اس کے متعلق خود علامہ محلی کا بیان ہے:

''انی ذکرت تراجم الرواة واحوالهم وما يتعلق بتوثيقهم و تضعيفهم من دون عصبية مذهبية وحمية جاهلية''

میں نے راویوں کا تعارف اور ان کے حالات کو بیان کیا ہے اور ان کو ثقہ یا ضعیف قرار دینے میں مذہبی عصبیت اور جاہلی حمیت کو رکاوٹ نہیں بننے دیا ہے۔

کتاب کے شروع میں ایک طویل مقدمہ ہے جو اہم فوائد اور نکات پر مشتمل ہے۔ سب سے پہلے تدوین حدیث پر گفتگو کی گئی ہے، پھر امام مالک کا تفصیلی تعارف ہے، اس کے بعد موطا کی اہمیت اور فضیلت بیان کی گئی ہے۔ حدیث کی صحیح ترین کتاب موطا ہے یا صحیح بخاری اس پر بحث کی گئی ہے۔ امام مالک سے موطا نقل کرنے والوں کی تعداد، موطا کے متعدد نسخے اور اس کی احادیث وآثار کو شمار کرنے کی کوشش کی گئی ہے۔ موطا کی تعلیق میں حصہ لینے والوں میں سے تیرہ لوگوں کا تفصیلی تعارف کرایا گیا ہے ساتھ ہی امام محمد، ابو یوسف اور امام ابو حنیفہ کا تعارف اور ان پر کئے گئے اعتراضات کا جواب دیا گیا ہے۔

یہ مقدمہ تیرہ فوائد اور ایک خاتمہ پر مشتمل ہے۔ خاتمہ میں لکھتے ہیں کہ اس کتاب میں کوئی موضوع حدیث نہیں ہے۔ ضعیف حدیث موجود ہے، لیکن ان کا ضعف بہت معمولی ہے۔ نیز دوسرے طریقوں سے اس کمزوری کی تلافی بھی ہو جاتی ہے۔ بعض حدیثیں شدید ضعیف ہیں، لیکن ان میں وارد مضمون صحیح سندوں سے ثابت ہے، اس لئے یہ کمزوری بھی مضر نہیں ہے۔

حاصل مطالعه

حاصل یہ ہے کہ علامہ فرنگی محلی جہاں ایک طرف بلند پایہ محدث اور انصاف پرور فقیہ ہیں وہیں وہ اعلیٰ درجے کے مورخ اور تذکرہ نگار بھی ہیں اور اس میں بھی وہ مجتہدانہ صلاحیت اور بصیرت کے حامل نظر آتے ہیں، تاریخ نگاری میں انھوں نے بعض معاصرین خصوصاً علامہ قنوجی پر جو فاضلانہ اور محققانہ تنقید کی ہے انھیں دیکھنے سے فن تاریخ میں ان کی دقیقہ رسی اور تیز نگاہی اور حقیقت پسندی کا اندازہ ہوتا ہے۔

عیب اور خامی سے پاک صرف اللہ کی ذات ہے۔ نافرمانی اور گناہ سے معصوم صرف نبیوں کا پاکیزہ گروہ ہے۔ اللہ اور اس کے رسولوں کے علاوہ کسی کی بھی تمام باتیں صحیح نہیں ہو سکتی ہیں۔ علامہ فرنگی محلی پر بھی تاریخ کے حوالے سے بعض لوگوں نے بجا تنقید کی ہے، اس سلسلہ میں علامہ کوثری کی بعض تصنیفات کا مطالعہ کیا جاسکتا ہے۔ ☆

حدیث کی تشریعی حیثیت

اعجاز احمد قاسمی☆

پیغمبر علیہ الصلوٰۃ والسلام کا مقام و مرتبہ

حدیث کی تشریعی حیثیت کا تعین نبی کریم ﷺ کی حیثیت اور مقام و مرتبہ کے تعین پر موقوف ہے، جب حضور اکرم ﷺ کا مقام و مرتبہ متعین ہوجائے گا تو حدیث کی تشریعی اور آئینی حیثیت خود بخود متعین ہوجائے گی۔ اس لئے ضروری ہے کہ سب سے پہلے رسول اور پیغمبر کی حیثیت پر گفتگو کی جائے۔

سب سے پہلا سوال جو قابل حل ہے وہ یہ ہے کہ جب کوئی پیغمبر اللہ تعالیٰ کی طرف سے لوگوں کی جانب بھیجا جاتا ہے تو اس کی حیثیت کیا ہوتی ہے، کیا اس کا مقام و مرتبہ ایک پیامبر یا ڈاکیہ کی طرح ہوتا ہے جس کی ذمہ داری صرف خط پہنچا دینے کی ہوتی ہے، اس خط کے مندرجات سے اس کا دور کا بھی واسطہ نہیں ہوتا؟

اس کا جواب یقیناً نفی میں ہوگا کیونکہ انبیائے کرام صرف اللہ کا پیغام پہنچا دینے پر مامور نہیں ہوتے بلکہ ان کی ذمہ داری یہ بھی ہوتی ہے کہ وہ کتاب اللہ کی تشریح و تفسیر کریں، اس کی عملی تطبیق کے طریقے بتائیں اور ایک ایسی عملی مثال قائم کریں جو کتاب اللہ کی ہدایت کے عین مطابق ہو، ان کے فرائض میں یہ بھی شامل ہے کہ وہ اس کی تعلیم دینے کے ساتھ اس کی تعلیمات کے مطابق زندگی بسر کرنے کے لئے لوگوں کی تربیت بھی کریں۔

قرآن کریم نے متعدد مقامات پر اس بات کی وضاحت فرما کر کسی تردد اور شک کی گنجائش باقی نہیں چھوڑی ہے۔ ارشاد خداوندی ہے:

لقد من الله على المومنين اذ بعث فيهم رسولا من انفسهم يتلوا عليهم آياته و يزكيهم و يعلمهم الكتاب والحكمة وان كانوا من قبل لفي ضلال مبين (سورہ آل عمران:۱۶۴) حقیقت میں اللہ تعالیٰ نے مسلمانوں پر احسان کیا جب ان میں ان ہی کی

☆استاذ حدیث وفقہ جامعۃ الفلاح e-mail: ajazahmadqasmi@gmail.com

جنس سے ایک پیغمبر کو بھیجا کہ وہ ان لوگوں کو اللہ تعالیٰ کی آیتیں پڑھ پڑھ کر سناتے ہیں اور ان لوگوں کی صفائی کرتے ہیں اور ان کو کتاب اور حکمت کی باتیں بتلاتے ہیں، اور بالیقین یہ لوگ اس سے قبل صریح غلطی پر تھے۔

اسی طرح سورہ جمعہ میں ارشاد فرمایا:

"هو الذى بعث فى الاميين رسولا منهم يتلو عليهم آياته و يزكيهم و يعلمهم الكتاب والحكمة" (سورہ جمعہ:۱) وہی ہے جس نے ناخواندہ لوگوں میں انہی میں سے ایک پیغمبر بھیجا جو ان کو اللہ کی آیتیں پڑھ کر سناتے ہیں اور ان کو پاک کرتے ہیں اور ان کو کتاب اور دانشمندی سکھلاتے ہیں۔

حضرت ابراہیمؑ نے انہی فرائض و مقاصد کی تکمیل کے لئے ایک رسول بھیجنے کی دعا فرمائی تھی جسے قرآن کریم نے یوں نقل کیا ہے:

ربنا وابعث فيهم رسولا منهم يتلوا عليهم آياتك و يعلمهم الكتاب والحكمة ويزكيهم (بقرہ:۱۲۹) اے ہمارے پروردگار اور اس جماعت کے اندر انہی میں سے ایک ایسا پیغمبر بھیج دیجئے جو ان لوگوں کو تیری آیتیں پڑھ کر سنائے اور ان کو کتاب و حکمت کی تعلیم دے اور ان کا تزکیہ کرے۔

مذکورہ بالا آیات سے ثابت ہوتا ہے کہ حضور اکرم ﷺ کو چار فرائض سونپے گئے تھے۔

[۱] کتاب اللہ کی آیات پڑھ کر سنانا۔ [۲] کتاب کی تعلیم
[۳] حکمت کی تعلیم [۴] تزکیہ

اور اس سے نتیجے کے طور پر یہ ثابت ہوتا ہے کہ

۱- قرآن پاک کی تلاوت اور پڑھنے کے طریقے میں آنحضور ﷺ کا طریقہ حجت ہے۔
۲- کتاب اللہ کی تشریح و تفسیر میں آپ کی بات حرف آخر ہے۔
۳- دینی رہنمائی میں حکمت سیکھنے کے لئے آپ کی ذات واحد سرچشمہ ہے۔
۴- اپنی تعلیمات کو روبہ عمل لانے کے لئے لوگوں کی عملی تربیت کا فریضہ آپ کو سونپا گیا ہے۔

ظاہر ہے کہ نبی اکرم ﷺ کے ان فرائض و مقاصد کی انجام دہی کے لئے یہ لازمی تھا کہ آپ کی تعلیمات خواہ زبانی ہوں یا عملی آپ کے ماننے والوں کے لئے واجب الاطاعت ہوں اور وہ مسلمان جو آپ کے زیر تربیت ہیں آپ کی بات ماننے اور اس پر عمل کرنے کے پابند بنادئے جائیں۔

یہی وجہ ہے کہ قرآن کریم میں بار بار پیغمبر کی اطاعت پر زور دیا گیا ہے حتی کہ اطاعت رسول کو اللہ کی اطاعت کے ساتھ ذکر کیا گیا ہے۔

قل اطیعوا اللہ و الرسول فان تولوا فان اللہ لایحب الکافرین (آل عمران:۳۲)

غور کرنے کا مقام ہے کہ اس آیت میں اطاعتِ رسول سے روگردانی کرنے والوں کو "کافرین" قرار دیا گیا ہے:

واطیعوا اللہ والرسول لعلکم ترحمون (آل عمران:۱۳۲)

یاایھا الذین آمنوا اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول واولی الامر منکم (نساء:۵۹)

واطیعوا اللہ واطیعوا الرسول واحذروا. (مائدہ:۹۲)

فاتقوا اللہ واصلحوا ذات بینکم واطیعوا اللہ ورسولہ ان کنتم مؤمنین (انفال:۱) تم اللہ سے ڈرو اور باہمی تعلقات کی اصلاح کرو اور اللہ اور اس کے رسول کی اطاعت کرو اگر تم ایمان والے ہو۔

نیز سورہ انفال آیت ۲۰ اور ۴۶ میں بھی یہی حکم مذکور ہے۔ اور سورہ نور میں ہے:

قل اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول فان تولوا فانما علیہ ما حمل وعلیکم ما حملتم وان تطیعوہ تھتدوا (نور:۵۴) آپ کہئے کہ اللہ کی اطاعت کرو اور رسول کی اطاعت کرو پھر اگر تم لوگ روگردانی کرو گے تو سمجھ لو کہ رسول کے ذمہ وہی ہے جس کا ان پر بار رکھا گیا ہے اور تمہارے ذمہ وہ ہے جس کا تم پر بار رکھا گیا ہے اور اگر تم نے ان کی اطاعت کر لی تو راہ پر لگ جاؤ گے۔

اور سورہ محمد میں ہے:

یاایھاالذین آمنوا اطیعوا اللہ واطیعوا الرسول ولا تبطلوا اعمالکم (محمد:۳۳)

اسی طرح کے احکام اور بھی متعدد سورتوں میں دیے گئے ہیں تفصیل کے لئے دیکھئے:

سورہ مجادلہ:۱۳، سورہ تغابن:۱۲، سورہ نساء:۱۳، ۶۹، سورہ نور:۵۲، سورہ احزاب:۷۱،
سورہ توبہ:۷۱، سورہ حجرات:۱۴، سورہ نساء:۶۴، ۸۰، ۱۴۲، سورہ احزاب:۳۶

ان تمام آیات میں اطاعت خداوندی کے ساتھ رسول کی اطاعت کا بھی حکم وارد ہوا ہے، پورے قرآن کریم میں ایک بھی ایسی آیت نہیں ہے جس میں اللہ کی اطاعت کا بیان ہو اور اس کے معا بعد رسول کی اطاعت کا ذکر نہ کیا گیا ہو۔

اس کے برعکس ایسی متعدد آیات ہمیں ملتی ہیں جہاں انفرادی طور پر صرف رسول کی

اطاعت کا ذکر ہے۔

واقیموا الصلوۃ وآتوا الزکوۃ واطیعوا الرسول لعلکم ترحمون (نور:۵۶)

نماز قائم کرو اور زکوۃ ادا کرو اور رسول کی اطاعت کرو تا کہ تم پر رحم کیا جائے۔

نیز دیکھئے سورہ نور:۶۳، ۵۴، سورہ نساء:۴۲، ۱۱۵

ان مذکورہ بالا جملہ آیات سے یہ بات بخوبی ثابت ہو جاتی ہے کہ حضور اکرم ﷺ کی اطاعت و فرمانبرداری بحیثیت رسول امت کے تمام افراد پر واجب اور ضروری بلکہ ایمان کا تقاضا اور اس کا ایک بنیادی حصہ ہے۔

نیز آپ کی تعلیمات خواہ وہ قولی ہوں یا فعلی امت کے لئے واجب التعمیل ہیں کیونکہ اب اطاعت رسول کی واحد صورت صرف یہ ہے کہ حدیث وسنت کی پیروی کی جائے، دینی مسائل میں اس سے استدلال کیا جائے اور قرآن کریم کے بعد حدیث کو قانون اسلامی کا دوسرا بنیادی ماخذ قرار دیا جائے۔

قرآن و سنت کے مابین باہمی ربط و تعلق

اللہ تعالیٰ نے جو دین قرآن کے ذریعہ سے دیا ہے اس کی نوعیت یہ ہے کہ اس میں صرف اصولی باتیں بیان ہوئی ہیں تفصیلات اس میں نہیں دی گئی ہیں۔ جزئیات وتفصیلات کی تعلیم اس نے کلی طور پر آنحضور ﷺ پر چھوڑ دی ہے۔

حقیقت یہ ہے کہ دین کا پورا اور مکمل ڈھانچہ سنت رسول سے کھڑا ہوتا ہے مثلاً نماز، روزہ، حج، زکوۃ اور دوسرے احکام ومناسک کا بنیادی حکم تو قرآن مجید میں موجود ہے لیکن ان میں سے کسی چیز کی جزئیات وتفصیلات بیان نہیں کی گئی ہیں، اگر ہم سنت کو نکال دیں تو قرآن کے ذریعہ اگرچہ ہم دین کی اصولی اور بنیادی باتوں سے واقف ہوں گے لیکن ان کی عملی شکل سے اسی طرح بے خبر ہوں گے جس طرح دور جاہلیت میں دین حنیفی کے پیروکار بے خبر تھے، وہ خانہ کعبہ سے ٹیک لگا کر بیٹھ جاتے اور کہتے کہ اے رب! ہم نہیں جانتے کہ تیری عبادت کس طرح کریں ورنہ اسی طرح سے کرتے۔

معلوم ہوا کہ قرآن سنت ہی کے ذریعہ واضح ہوتا ہے، اسی وجہ سے حضور ﷺ نے فرمایا تھا:

"اوتیت القرآن ومثلہ معہ" مجھے قرآن دیا گیا ہے اور اسی کے مانند اس کے ساتھ اور بھی۔

لہٰذا جس طریقے سے قرآن واجب العمل ہے اسی طرح سنت بھی واجب التعمیل ہے، آنحضور ﷺ کی بعثت کا مقصد اصلی ہی یہ تھا کہ قرآن مجید میں ابہام باقی نہ رہے بلکہ مجسم اور کامل شکل

میں لوگوں کے سامنے آجائے اور آپ نے یہ مقصد پورا کر دکھایا۔

لہٰذا اگر یہ کہا جائے تو بیجا نہ ہوگا کہ قرآن و سنت کے مابین تعلق روح اور قالب کا ہے یعنی قرآن اگر روح ہے تو سنت اس کے لئے قالب ہے، ان دونوں کی باہمی ترکیب سے ہی دین کا پورا نظام کھڑا ہوتا ہے ان میں سے کسی ایک کو اگر علاحدہ کر دیا جائے تو دین کا سارا شیرازہ ہی بکھر جائے گا۔

حدیث مستقل ماخذ تشریع ہے

قرآن پاک میں متعدد مقامات پر اللہ تعالیٰ نے رسول کی اطاعت کے تاکیدی حکم کے ساتھ ان کے حکم کی خلاف ورزی سے بچنے کی شدید تاکید فرمائی ہے۔ ارشاد خداوندی ہے:

"فليحذر الذين يخالفون عن امره أن تصيبهم فتنة او يصيبهم عذاب اليم" (نور:۶۳) جو لوگ آپ کے احکام کی خلاف ورزی کرتے ہیں انہیں ڈرنا چاہئے کہ کہیں عذاب میں مبتلا نہ ہو جائیں۔

نیز اللہ تعالیٰ نے باہمی اختلافات کو ختم کرنے کے لئے رسول کی طرف بھی مراجعت کا حکم فرمایا ہے۔ ارشاد ہے:

"فان تنازعتم في شيء فردوه الى الله ورسوله ان كنتم تومنون بالله واليوم الآخر" (نساء:۵۹) اگر کسی بات میں تمہارے یہاں تنازع پیدا ہو جائے تو اسے اللہ اور اس کے رسول کی طرف لوٹا دو، اگر تم اللہ تعالیٰ اور آخری دن پر یقین رکھتے ہو۔

اللہ کی طرف لوٹانے سے مراد کتاب اللہ کی طرف رجوع کرنا ہے اور رسول کی طرف لوٹانے سے مراد ان کی وفات کے بعد حدیث و سنت کی جانب رجوع کرنا ہے۔

اسی طرح ارشاد خداوندی ہے:

"ما آتاكم الرسول فخذوه وما نهاكم عنه فانتهوا" (حشر:۲۸) رسول جو کچھ تمہیں دے دو وہ لے لو اور جس سے منع کرے اس سے باز رہو۔

نیز ارشاد ہے:

"فلا وربك لا يومنون حتى يحكموك فيما شجر بينهم ثم لا يجدوا في انفسهم حرجا مما قضيت ويسلموا تسليما (نساء:۶۵) تیرے رب کی قسم یہ لوگ اس وقت تک مومن نہیں ہو سکتے جب تک اپنے باہمی تنازعات میں آپ کو حکم نہ ٹھہرائیں اور پھر آپ جو فیصلہ بھی صادر کریں اس کے خلاف اپنے دل میں کوئی تنگی نہ پائیں اور سر تسلیم خم کر دیں۔

نیز قرآن میں آنحضور کو مخاطب کرتے ہوئے کہا گیا:

"وانزلنا اليك الذكر لتبين للناس مانزل اليهم" (النحل:۴۴) ہم نے قرآن کو آپ پر اتارا تاکہ جو چیز آپ پر اتاری گئی ہے آپ اس کو کھول کر بیان کر دیں۔

ان مذکورہ بالا آیات سے حدیث و سنت کی قانونی پوزیشن بالکل واضح ہو جاتی ہے کہ حدیث قرآن کے اجمال کی تفصیل بیان کرتی ہے، مطلق کو مقید اور عام الفاظ میں تخصیص پیدا کرتی ہے۔ قرآن میں جو مقادیر جزئیات اور حدود غیر متعین ہیں حدیث ان کو متعین کرتی ہے۔ قرآن جس امر کی تصریح سے خاموشی اختیار کرتا ہے وہاں تنہا حدیث دین کا نقطۂ نظر واضح کرتی ہے، جس سے یہ امر بخوبی واضح ہو جاتا ہے کہ شریعت اسلامیہ کی تشکیل و تعمیر میں قرآن مجید کے بعد حدیث و سنت بنیادی کردار ادا کرتی ہے اور تشریع اور قانون سازی میں حدیث دوسرے درجہ میں مستقل حیثیت کی حامل ہے۔

اس کی تائید حضرت معاذؓ کی حدیث سے ہوتی ہے جس کی تخریج امام ابوداؤد اور ترمذی نے فرمائی ہے، حضورؐ نے یمن بھیجتے وقت ان سے پوچھا تھا "كيف تقضي اذا عرض لك قضاء؟ قال: بكتاب الله، قال فان لم تجد؟ قال: بسنة رسول الله، قال: فان لم تجد؟ قال: اجتهد رائي" اگر کوئی مقدمہ پیش آئے تو کس طرح فیصلہ کروگے؟ انھوں نے جواب دیا: کتاب اللہ کے ذریعہ، آپ نے پھر پوچھا: اگر اس کا حکم کتاب اللہ میں نہ پاؤ تو؟ انھوں نے جواب دیا کہ رسول اللہ کی سنت کے ذریعہ، پھر پوچھا اگر سنت میں بھی نہ پاؤ تو؟ انھوں نے جواب دیا: اپنی رائے سے اجتہاد کروں گا۔

نیز اس کی تائید حضرت عمرؓ کے اس ہدایت نامہ سے بھی ہوتی ہے جو انھوں نے حضرت شریح قاضی کے پاس بھیجا تھا کہ "اذا اتاك امر فاقض بما في كتاب الله فان اتاك بما ليس في كتاب الله فاقض بما سن فيه رسول الله" دوسری روایت میں اس کے الفاظ یہ ہیں "اذا وجدت شيئا في كتاب الله فاقض به ولا تلتفت الى غيره" دوسری روایت میں اس کی مزید وضاحت ہے: "انظر ماتبين لك في كتاب الله فلا تسأل عنه احدا، ومالم يتبين لك في كتاب الله فاتبع فيه سنة رسول الله"

حضرت عبداللہ بن مسعودؓ کے قول سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے وہ فرماتے ہیں: "من عرض له منكم قضاء فليقض بما في كتاب الله فان جاءه ماليس في كتاب الله وكان عن رسول الله ﷺ فال به" کہ تم میں سے جس شخص کے پاس کوئی مقدمہ آئے وہ

کتاب اللہ کے حکم کے موافق فیصلہ کرے اور اگر اس کا حکم کتاب اللہ کے اندر نہ ہو اور رسول اللہ کے قول سے ثابت ہو تو اسی کو اختیار کرے۔

نیز حضرات شیخین کے طرز عمل سے بھی اس کی تائید ہوتی ہے چنانچہ جب کوئی مسئلہ پیش آتا تو وہ کتاب اللہ میں غور کرتے، اگر اس میں اس کا حکم نہیں ملتا تو رسول اللہ ﷺ کی سنت میں غور وفکر کرتے۔

نیز متعدد احادیث سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ شریعت دو اصول یعنی کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ سے مل کر وجود میں آتی ہے اور یہ ایک حقیقت ہے کہ سنت میں بعض احکام ایسے ہیں جو کتاب اللہ میں نہیں ہیں مثلاً جمع بین المرأة و عمتها اور جمع بین المرأة و خالتها کا حرام ہونا، متعہ کے احکام، زانی محصن کو رجم کیا جانا اور جدات کا وارث ہونا وغیرہ، لہٰذا جس طرح کتاب اللہ کے احکام کو اختیار کرنا ضروری ہے ٹھیک اسی طرح سنت کے احکام کی پابندی ضروری ہے۔

حضور نے فرمایا تھا: یوشک باحدکم ان یقول: هذا کتاب الله، ما کان فیه من حلال احللناه وما کان فیه من حرام حرمناه، الا من بلغه عنّی حدیث فکذب به، فقد کذب الله ورسوله والذی حدثه (الطبرانی فی الاوسط عن جابر) قریب ہے کہ تم میں سے ایک شخص یوں کہے کہ یہ اللہ کی کتاب ہے ہم جس کو اس میں حلال پائیں گے اسے حلال سمجھیں گے اور جس کو حرام پائیں گے اسے حرام سمجھیں گے، سن لو جس کے پاس میری جانب سے کوئی حدیث پہنچے اور وہ اس کی تکذیب کر دے تو اس نے اللہ اور اس کے رسول اور اس حدیث تینوں کی تکذیب کی۔

امام مسلم نے حضرت ابن عباس کے واسطے سے یہ فرمان نبوی نقل کیا ہے کہ: جب تمہارے سامنے کتاب اللہ سے کچھ رکھا جائے تو وہ واجب التعمیل ہے، اس کے ترک میں کسی کے لئے عذر جائز نہیں، اگر کوئی چیز کتاب اللہ سے نہ ہو لیکن نبی کی سنت ماضیہ سے ہو تو وہ بھی ویسی ہی واجب التعمیل ہے۔

امام حاکم نے حضرت ابن عباس کے حوالہ سے خطبۂ حجۃ الوداع کا یہ فقرہ نقل کیا ہے:

شیطان اب اس سے تو مایوس ہو چکا ہے کہ وہ تمہاری زمین میں پوجا جائے بس وہ اب اسی پر قانع ہے کہ اس کی اطاعت صرف ان اعمال میں کی جائے جنہیں تم حقیر خیال کرتے ہو، پس اس سے بچو، میں تمہارے اندر وہ کچھ چھوڑ چلا ہوں کہ اگر تم نے اسے مضبوطی سے پکڑا تو تم کبھی گمراہ نہ ہوگے، اللہ کی کتاب اور اس کے رسول کی سنت۔

امام ابوداؤد، احمد، ابونعیم اور ابن ماجہ نے حضرت عرباض بن ساریہ سے آنحضور کی ایک تقریر نقل کی ہے جو آپ نے ایک روز نماز صبح کے بعد فرمائی۔ اس میں آپ نے فرمایا:

جو میرے بعد زندہ رہے گا وہ بہت زیادہ اختلافات دیکھے گا، پس تم میری سنت اور میرے ہدایت یافتہ خلفاء کی سنت پر جمے رہنا، اسے دانتوں سے پکڑے رہنا اور خبردار محدثات اور بدعات سے بچنا، کیونکہ ہر بدعت گمراہی ہے۔

خلاصۂ کلام یہ ہے کہ قرآن وحدیث کے بے شمار شواہد ودلائل کی روشنی میں یہ بات اپنی جگہ طے شدہ ہے کہ سنت قرآن کریم کے بعد اسلامی قانون کا دوسرا اہم ترین ماخذ ہے۔

☆☆☆

ذکر: معنی و مفہوم

اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: واذکر ربک اذا نسیته

یعنی ذکر میں محویت کا عالم یہ ہو کہ ذکر کے دوران سب کچھ فراموش کر دیا جائے، نہ اپنا کچھ یاد رہے نہ غیر کا حتیٰ کہ ذکر کے دوران ذکر کا بھی دھیان نہ آئے، پھر ہر ذاکر کا اللہ ذکر کرتا ہے تو اللہ کے ذکر کو سننے میں ایسا استغراق ہو کہ اس کے علاوہ ہر ذکر نسیاً منسیاً ہو جائے۔ اس کے تین درجات ہیں: پہلا درجہ ذکر کا حمد وثنا اور دعا ہے، یہ ذکر ظاہری ہے۔ دوسرا درجہ ذکر خفی کا ہے، اس کی حقیقت یہ ہے کہ اللہ کے مشاہدہ اور اس سے گفتگو میں محو ہے اور کبھی اس میں تکان اور کمزوری نہ آئے۔ تیسرا درجہ ذکر حقیقی کا ہے، وہ یہ ہے کہ اللہ اپنا ذکر کرنے والوں کا جو ذکر کرتا ہے ذاکر اپنے ذکر کو نسیاً منسیاً کر کے صرف اللہ کے ذکر پر اپنے خیال وفکر کو اس طرح جما دے کہ گویا وہ اپنے کانوں سے اس کو سن رہا ہے اور آنکھوں سے اس کا مشاہدہ کر رہا ہے۔

صابئہ مندائیہ

ابوارقم فلاحی☆

صابئہ، مشرق کا ایک قدیم ترین سامی (۱) مذہب ہے، اس مذہب کے لوگ آج بھی عراق میں پائے جاتے ہیں اور چونکہ ان کے مذہبی نوشتے آرامی زبان میں ہیں البذا ان کے تعلق سے دنیا بہت کم جانتی ہے اوران کی حقیقت کے تعلق سے متضاد آراء وافکار کتب تواریخ میں ملتے ہیں۔

صابئہ کی لغوی تعریف:

[۱] زیادہ تر اہل تحقیق کے نزدیک 'صابئہ' عربی لفظ ہے جس کے لغوی معنی ایک دین سے دوسرے دین کی جانب نکلنے کے آتے ہیں، ابواسحاق الزجاج کہتے ہیں: "الصابئون: الخارجون من دين الى دين" (تاج اللغۃ) صابئہ ایک دین سے نکل کر دوسرے دین کو اختیار کرنے والوں کو کہتے ہیں۔

مفردات القرآن میں ہے: "قيل لكل خارج من دين الى دين آخر" ہروہ شخص جو اپنا دین ومذہب چھوڑ کر دوسرا دین اختیار کرلے اسے صابی کہتے ہیں، اسی معنی میں قریش نبی اکرم ﷺ اور صحابہ کرام کو صابی کہتے تھے۔

[۲] بعض علماء کا خیال ہے کہ شاید یہ عبرانی لفظ 'ص ب غ' سے بحذف عین نکلا ہے جس کے لغوی معنی غوطہ دینا یا ڈبونا ہے، اس کے لحاظ سے صابی کے معنی اصطباغی کے ہوں گے یعنی وہ جو غوطہ دے کر اصطباغ کی رسم ادا کرتے ہیں (اردو دائرہ معارف) اور ان کے یہاں اصطباغ سب سے اہم عبادت ہے۔

☆استاذ تاریخ ومذاہب جامعۃ الفلاح، اعظم گڑھ

(۱) سامی، سام بن نوح علیہ السلام کی جانب نسبت ہے، مشرق وسطی میں آباد قومیں آپ ہی کی ذریت سے ہیں، لہٰذا وہ مذاہب جن کا مولد ومسکن مشرق وسطی ہے انھیں سامی مذاہب کہا جاتا ہے، جیسے: اسلام، یہودیت، نصرانیت اور صابئہ۔

[۳] صبأ کے معنی ستارہ کے طلوع ہونے کے آتے ہیں، شاید یہ لوگ اپنی ستارہ شناسی اور معرفت نجوم میں مہارت کے سبب سے اس نام سے موسوم ہوئے ہوں۔ (تدبر قرآن ج ۱ ص ۲۳۱)

صابئہ کی حقیقت

صابئہ کون تھے اس سلسلے میں علماء ومفسرین سے مختلف اقوال منقول ہیں، امام مجاہدؒ وحسنؒ کے نزدیک یہ لوگ خاص دین کے پیرو نہیں تھے بلکہ یہودیت اور مجوسیت کے بین بین تھے، عمر فاروقؓ، ابن عباسؓ اور ابو العالیہؒ وغیرہ کے نزدیک یہ اہل کتاب کا ایک فرقہ اور توحید کا علمبردار تھا۔

ابن زید کا قول ہے کہ یہ ایک مخصوص دین کے پیرو تھے اور جزیرہ موصل میں آباد تھے، ان کا عقیدہ توحید تھا لیکن نہ تو یہ کسی نبی اور نہ کسی کتاب کے پیرو تھے اور نہ ان کے یہاں شرعی اعمال کا کوئی مخصوص نظام تھا۔ قتادہؒ کہتے ہیں کہ یہ لوگ ملائکہ کی پرستش کرتے، قبلہ کی طرف نماز پڑھتے اور زبور کی تلاوت کرتے۔

یہ اقوال بظاہر متضاد نظر آتے ہیں لیکن حقیقتاً کوئی تضاد نہیں ہے۔ اس میں شبہ نہیں کہ اول اول یہ لوگ دین حق پر تھے لیکن بعد میں یہ لوگ دین حق سے منحرف ہو کر ملائکہ اور ستاروں کی پرستش میں مبتلا ہو گئے جیسے اولاد اسماعیل، توحید کی علمبردار تھی اور پھر دھیرے دھیرے بت پرستی میں مبتلا ہو گئی۔

مختصراً یہ کہ صابئہ مشرق کا وہ مذہبی فرقہ ہے جو یحییٰ علیہ السلام کو اپنا نبی مانتا ہے، ستاروں کی پرستش وتعظیم کرتا ہے اور قطب شمالی کے ستارہ کی جانب رخ کرنا اور پانی میں غوطہ لگانا ان کا اہم مذہبی فریضہ ہے۔

صابئہ کے دیگر القاب

[۱] مندائیہ: مندائیہ عربی لفظ ہے جس کے معنی ہیں 'مغتسلہ' انھیں مغتسلہ کا لقب اس لئے دیا گیا کیونکہ پانی میں غوطہ لگانا ان کے یہاں اہم ترین عبادت ہے۔

[۲] میندئین (Mandaen) آرامی لفظ ہے جس کے معنی علم والے کے آتے ہیں (ایران بعد ساسانیاں) انھیں یہ لقب اس لئے دیا گیا کیونکہ اس مذہب کو جن لوگوں نے چار چاند لگایا وہ فن طب، علم کائنات جوی، ہیئت اور ریاضی کے ماہر اور امام تھے جیسے ثابت بن قرہ ایک ممتاز انجینئر، جدت پسند ہیئت داں تھا، سنان بن ثابت طبیب اور ماہر علم کائنات جوی، البتانی مشہور ومعروف ہیئت داں، ابو جعفر الخازن ریاضی داں، ابن الوحشیہ (الفلاحۃ النبطیہ کا مصنف) اس مذہب کی توسیع واشاعت میں ان لوگوں کا رول کافی اہم ہے۔

[۳] نصارائے یحییٰ علیہ السلام: عراق میں عوام الناس ان کو حضرت یحییٰ کی امت کہتے ہیں، لیکن جیوش انسائیکلوپیڈیا میں ان کے اس لقب کو غلط ٹھہرایا گیا ہے۔ (دیکھئے: ج ۸، ص ۴۸۸)

امام الشہرستانی نے ان کا شمار 'الروحانیون' میں کیا ہے یعنی وہ لوگ جو ملائکہ پرستی اور کواکب پرستی میں مبتلا ہیں۔ (دیکھئے الملل والنحل)

صابئہ اپنے کو دوسرے فرقوں کے سامنے صابی ہی کہتے ہیں اس لئے اسی نام سے ان کو موسوم کرنا زیادہ بہتر ہوگا۔

صابئہ کے اہم عقائد

خدا کا تصور: صابئہ اس بات کے قائل ہیں کہ اس کائنات کا ایک خالق ہے جو حکیم ہے اور داغ حدوث سے پاک ہے، جس کے جلال تک پہونچنے کے لئے عجز کا اعتراف ہم پر واجب ہے؛ جس کا تقرب مقدس و مقرب وسیلوں کے ذریعہ ہی حاصل ہو سکتا ہے، الشہرستانی کے بقول یہ مقرب واسطے وہ روحیں ہیں جو اپنے جوہر، افعال اور حالت کے اعتبار سے پاک اور مقدس ہیں اور اپنے جوہر کے لحاظ سے وہ جسمانی مواد سے پاک، قوائے طبیعی سے مبرا اور حرکات مکانی اور تغیر زمانی سے منزہ ہیں، وہ روحوں کو اپنا رب، اپنا دیوتا اور اللہ رب الارباب کے پاس اپنا سفارشی اور وسیلہ مانتے ہیں۔

ان کا خیال ہے کہ انسان اپنی شہوانی خواہشات اور قوائے غضبیہ کو مغلوب کر کے ان روحوں سے مناسبت پیدا کر سکتا ہے اور پھر ان کے توسط سے خالق کائنات سے اپنی حوائج و ضروریات کو مانگ سکتا ہے۔

ابن ندیم کے بقول: اللہ تعالیٰ نے اپنے اصحاب عقل و تمیز بندوں کو اپنی ربوبیت کے اقرار کا مکلف ٹھہرایا ہے، حق کا راستہ ان کے لئے واضح کیا ہے، ان کی رہنمائی اور اتمام حجت کے لئے پیغمبر بھیجے ہیں اور ان کو حکم دیا ہے کہ لوگوں کو اللہ کی رضاجوئی کی دعوت دیں اور اس کے غضب سے ڈرائیں۔ ان پیغمبروں نے اس کی اطاعت کرنے والوں کو لازوال نعمتوں کی نوید سنائی ہے اور نافرمانی کرنے والوں کو عذاب کی دھمکی دی ہے جو بقدر استحقاق کے ہوگا اور پھر منقطع ہو جائے گا۔ (الفہرست: ۴۷۲)

رسالت کا تصور: صابئہ رسالت کے قائل ہیں، وہ درج ذیل اشخاص کو اپنا پیغمبر مانتے ہیں:

[۱] عاذیمون (پاکیزہ روح) Agatholemon

[۲] ہرمس (Hermes)

بعض اہل تحقیق کے نزدیک عاذیمون سے مراد شیث علیہ السلام اور ہرمس سے مراد ادریس علیہم السلام ہیں۔

[۳] اورفیوس (Orpheus)

[۴] یحییٰ علیہ السلام (دیکھئے اردو دائرہ معارف اسلامیہ، ص ۳)

کواکب پرستی: صابئہ اگرچہ دین توحید کے علمبردار تھے لیکن رفتہ رفتہ کواکب پرستی کے قائل ہو گئے اور دو گروہوں میں منقسم ہو گئے۔ ایک وہ جو ستاروں کی براہ راست پرستش کرتے تھے جنھیں معابد کہتے ہیں اور دوسرے وہ جو ہاتھ سے بنی ہوئی مورتیوں (اشخاص) کی پوجا کرتے تھے جنھیں انسانوں کے تعمیر کردہ معابد میں رکھا جاتا تھا اور جو ستاروں کی نمائندگی کرتی تھیں۔ ان کا خیال ہے کہ ستاروں کا طلوع و غروب بارش وغیرہ پر اثر انداز ہوتا ہے، اس کائنات میں جو حرکات و سکنات بھی ہوتی ہیں اس میں ان ستاروں کا بڑا دخل ہے۔

عہد رسالت میں یہ تصور عراق و حجاز میں پھیلا ہوا تھا جس کی تردید کرتے ہوئے آپ ﷺ نے حدیبیہ میں بادل والی رات کی صبح بعد نماز فجر فرمایا تھا کہ اللہ تعالیٰ نے ابھی فرشتوں کے درمیان یہ بات ارشاد فرمائی ہے کہ میرے بندوں نے آج صبح اس حال میں کی ہے کہ بعض ان میں سے مومن ہیں اور بعض کافر، جن لوگوں نے آج کی اس بارش کو ستاروں کا کرشمہ قرار دیا ہے گویا انھوں نے مجھ سے کفر کیا اور ستاروں پر ایمان لائے، اور جنھوں نے اسے خدا کی رحمت قرار دیا گویا وہ میری ربوبیت پر ایمان لائے اور ستاروں کی تدبیر کا انکار کیا۔ (الموطا، ص ۶۷)

نبی اکرم ﷺ کے بیٹے ابراہیم علیہ السلام کا جب دس ہجری میں انتقال ہوا تو اتفاق سے اسی دن سورج کو گہن بھی لگ گیا، چنانچہ اسی تصور کی بنا پر بعض لوگوں نے سورج گہن کو ابراہیم کی موت سے جوڑ دیا تو نبی اکرم ﷺ نے اس کی یوں تردید فرمائی: "ان الشمس والقمر آیتان من آیات اللہ، لا ینخسفان لموت احد و لا لحیاتہ" (الموطا)

یقیناً سورج اور چاند اللہ کی نشانیوں میں سے دو نشانیاں ہیں ان دونوں کو گہن کسی کی موت و حیات کی بنا پر نہیں لگتا۔

☆☆☆

غزل

منور بن محبوب کراکت

کبھی جو آپ ادھر سے گزر گئے ہوتے
تمام ذرے یہاں کے نکھر گئے ہوتے

شب وصال ہم اتنا تو کر گئے ہوتے
خوشی کے مارے اسی وقت مر گئے ہوتے

ہمیں سے چوک ہوئی ورنہ چاہیے یہ تھا
نگارِ ہستی میں کچھ رنگ بھر گئے ہوتے

کچھ اور دیر نہ آتا جو نامۂ و پیغام
وفورِ یاس سے گھبرا کے مر گئے ہوتے

یہ کہئے آپ کا دامن ہمیں نصیب ہوا
یہ اشک ورنہ ہمارے بکھر گئے ہوتے

جو بات حق تھی بھری بزم میں سنانا تھی
بڑے بڑوں کے تو چہرے اتر گئے ہوتے

جو ہوتا بعد میں پھر اس کو دیکھ لیتے ہم
ہمیں جو کرنا تھا وہ کر گزر گئے ہوتے

ہم آپ مل کے اگر رہتے ہوتے صبح و مسا
ہمارے آپ کے دشمن سدھر گئے ہوتے

منور آپ نے کوشش کبھی جو کی ہوتی
ضرور گیسوئے گیتی سنور گئے ہوتے

فقہ اکیڈمی کے اہم فیصلے

اسلامک فقہ اکیڈمی انڈیا کے بیسویں فقہی سیمینار منعقدہ رامپور بتاریخ ۵-۷ مارچ ۲۰۱۱ء میں جو اہم فیصلے ہوئے اس کی مختصر روداد افادۂ عام کی غرض سے شائع کی جارہی ہے۔

تجاویز بابت: مشترکہ و جداگانہ خاندانی نظام

مشترکہ اور جداگانہ خاندانی نظام سے متعلق مقالات: ان کی تلخیص اور عرض کو سامنے رکھ کر بحث و مباحثہ کے بعد درج ذیل تجاویز منظور کی گئیں:

۱- مشترکہ خاندانی نظام ہو یا جداگانہ، دونوں کا ثبوت عہد رسالت اور عہد صحابہ سے ملتا ہے؛ لہٰذا دونوں ہی نظام فی نفسہٖ جائز و درست ہیں۔ جہاں جس نظام میں شریعت کے حدود و قوانین کی رعایت و پاسداری اور والدین و دیگر زیر کفالت افراد اور معذورین کے حقوق کی حفاظت ہو سکے اور فتنہ و نزاع سے بچا جا سکے اس نظام پر عمل کرنا بہتر ہوگا، کسی ایک نظام کی تحدید نہیں کی جاسکتی ہے۔ البتہ یہ اجلاس تمام مسلمانوں سے یہ اپیل کرتا ہے کہ مورث کے انتقال کے بعد جتنی جلدی ممکن ہو ترکہ کی تقسیم کر کے تمام شرعی وارثین کو ان کا متعینہ حصہ دے دیں تاکہ ایک دوسرے کے حقوق کا غلط استعمال نہ ہو اور یہ عمل باہمی نزاع اور نفرت و عداوت کا سبب نہ بن جائے۔ یہ اجلاس خاص طور سے عورتوں کے حقوق کی ادائیگی کی طرف مسلمانوں کی توجہ کو مبذول کرانا چاہتا ہے؛ کیونکہ اس میں بہت زیادہ کوتاہیاں پائی جاتی ہیں۔

۲- مشترکہ خاندانی نظام کی بنیاد ایثار و قربانی اور باہمی تعاون پر ہے ورنہ یہ نظام قائم نہیں رہ سکتا، نیز عدل و انصاف کو قائم رکھنا بھی ضروری ہے، لہٰذا اگر خاندان کے سبھی افراد صاحب استطاعت ہوں تو زیر کفالت افراد کی تعداد کے اعتبار سے اخراجات دیں گے اور اگر کوئی مالی اعتبار سے کمزور ہو تو ہر شخص اپنی آمدنی کے تناسب سے اخراجات برداشت کرے گا: البتہ خاندان کے سبھی حضرات کو چاہئے کہ جائز ذریعہ سے زیادہ سے زیادہ آمدنی حاصل کرنے کی کوشش کریں تاکہ کمانے والوں پر بوجھ نہ پڑے۔

۳- جب آمد و خرچ دونوں مشترک ہوں تو اخراجات کے بعد بچی ہوئی رقم سے خریدی گئی چیز میں

سبھی افراد برابر کے حقدار ہوں گے۔

۴- جب سبھی بھائیوں کا ذریعہ آمدنی الگ الگ ہو اور سبھوں نے برابر برابر رقم جمع کی اور ایک بھائی نے اپنی زائد آمدنی کو بچا کر اپنے پاس رکھا تو یہ بھائی اپنی زائد آمدنی کا خود مالک ہوگا، دوسرے بھائی اس کے حقدار نہیں ہوں گے۔

۵- الف: اگر خاندان کے افراد کسی معاہدہ کے تحت کام کرتے ہوں تو جو بھی آمدنی ہوگی وہ خاندان کے سبھی افراد کے درمیان حسب معاہدہ تقسیم ہوگی خواہ وہ گھر پر کام کرتے ہوں یا باہر۔

ب: اگر کاروبار ایک ہی ہو، کچھ لوگ گھر پر کام کرتے ہوں اور کچھ لوگ گھر کے باہر تو اس صورت میں کل آمدنی سبھی افراد کے درمیان برابر برابر تقسیم ہوگی۔

ج: اگر الگ الگ کاروبار ہو اور ان کے درمیان کسی طرح کا معاہدہ نہ ہو تو باہر کمانے والوں کی آمدنی میں گھر کا کام دیکھنے والے حقدار نہیں ہوں گے۔

۶- والدین کی خدمت وکفالت لڑکوں کے ساتھ لڑکیوں پر بھی حسب استطاعت واجب ہے۔ اگر ماں کو ایسی خدمت کی ضرورت ہو جس کو کوئی عورت ہی انجام دے سکتی ہے اور بہو کے علاوہ کوئی دوسری قریبی عورت خدمت کرنے والی نہ ہو نیز ماں مجبور ہو، خود سے وہ کام انجام دینے کے لائق نہ ہو تو ایسی صورت میں بہو پر ساس کی خدمت واجب ہوگی۔

۷- مشترک خاندان میں بھی شرعی پردہ کا اہتمام کیا جائے، کسی غیر محرم کے ساتھ تنہائی میں ملنے سے اور ہنسی مذاق نیز غیر ضروری گفتگو سے اجتناب کرنا لازم ہے، البتہ احتیاط کے باوجود اگر سامنا ہو جائے اور ہر طرح کے فتنہ سے بچنے کی کوشش ہو تو اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔

۸- سماج کے معمر اور سن رسیدہ افراد انسانی سماج کے لئے بیش قیمت سرمایہ ہیں۔ ان کی راحت رسانی اور خدمت انسانی سماج کی ذمہ داری ہے، خصوصاً اولاد اور افراد خاندان کی ذمہ داری ہے کہ بوڑھوں کی خدمت کریں۔ ان کی عزت وتکریم کریں اور انہیں اپنے ساتھ محبت اور الفت کے ساتھ رکھیں اور ان کی خدمت کو اپنے لئے سعادت سمجھیں۔

تجاویز بابت: آبی وسائل اور ان کے شرعی احکام

پانی اللہ تعالیٰ کی بڑی اہم نعمت ہے۔ یہ انسان کی بنیادی ضرورتوں میں سے ہے، اس لئے اللہ تعالیٰ نے اس کے متعلق بہت سے احکام دیے، لہٰذا اس کی قدر کی جائے اور اس کا لحاظ رکھا جائے۔ پانی میں اسراف کی ممانعت کر دی گئی اور اس کو آلودہ کرنے سے سختی سے منع کر دیا گیا

ہے اور چونکہ سبھی کو اس کی ضرورت پڑتی ہے اس لئے اس میں کسی کی اجارہ داری تسلیم نہیں کی گئی، نہ ہی ایسی ذخیرہ اندوزی کرنے کی اجازت دی گئی جو کسی کی حق تلفی کا سبب بنے۔

۱- جن امور میں پانی استعمال کرنے کی اجازت ہے ان میں بلا ضرورت یا ضرورت سے زیادہ استعمال کرنا اسراف ہے۔

۲- موقوفہ پانی میں اسراف کرنا حرام ہوگا اور اگر مملوکہ ومباح پانی ہے تو اس میں مکروہ ہوگا۔

۳- شریعت نے پانی کو صرف پاک رکھنے ہی کے احکام نہیں دیے ہیں بلکہ پانی کو آلودگی سے بچانے کے لئے بھی شریعت نے متعدد احکام دیے ہیں، لہٰذا یہ بھی ضروری ہے۔

۴- پانی کی قلت کے پیش نظر اگر حکومتیں مفاد عامہ کی خاطر پانی کے بعض استعمالات پر پابندی لگاتی ہیں تو یہ درست ہے اور اس پر عمل ضروری ہے بشرطیکہ یہ پابندی کسی شرعی یا طبعی ضرورت کو پورا کرنے میں رکاوٹ نہ ہو۔

۵- مملوکہ زمین کے نیچے پانی مباح الاصل ہے کسی کی ملک نہیں، بوقت ضرورت مصلحت عامہ کے پیش نظر حکومت بورنگ کرانے سے روک سکتی ہے۔

۶- پانی کی حفاظت اور اس کا ذخیرہ کرنا اصلاً حکومت کی ذمہ داری ہے تاہم افراد پر بھی اس کی ذمہ داری ڈالی جا سکتی ہے کہ زیر زمین پانی کی مناسب سطح باقی رکھنے کے لئے مناسب تدبیر اختیار کریں اور تعاون کریں۔

۷- بوقت ضرورت مفاد عامہ کے پیش نظر ڈیم تعمیر کرنے کے لئے آبادی منتقل کی جا سکتی ہے بشرطیکہ فوری ایسا عادلانہ معاوضہ ادا کیا جائے جو لوگوں کے لئے تلافی مافات اور باز آبادکاری کے لئے کافی ہو سکے۔

۸- یہ ضروری ہے کہ سیلاب کے موقع سے بالائی اور نشیبی دونوں آبادیوں کے تحفظ کا خیال رکھا جائے اور حتی الامکان وہ صورت اختیار کی جائے جس میں کم سے کم نقصان ہو۔

۹- اپنی جائز ضرورتوں کو پورا کرنا بغیر دوسروں کو ضرر پہونچائے درست ہے۔

۱۰- نہروں سے استفادہ بقدر ضرورت جائز ہے بشرطیکہ اس سے نہروں اور دوسرے لوگوں کو نقصان نہ ہو۔

۱۱- وہ تمام صورتیں جن میں پانی کو کسی چھوٹے بڑے برتن یا چیز میں بالقصد محفوظ کر لیا جائے، ملکیت ثابت ہو جاتی ہے، البتہ پانی کو مملوک بنانے کے لئے ایسی شکل اختیار نہ کی جائے

جس سے عوام الناس کو ضرر لاحق ہو۔

۱۲- پانی پر ملکیت حاصل ہونے والی تمام شکلوں میں پانی کی تجارت جائز ہے جبکہ مفادِ عامہ متاثر نہ ہو لہٰذا عوامی نلوں اور پانی کے ذخائر سے اپنے حق سے زیادہ لے کر اور دوسروں کو ان کے حق سے محروم کر کے اس پانی کو فروخت کرنا جائز نہیں ہے۔

۱۳- نشیبی علاقوں میں پلاٹنگ کر کے انہیں فروخت کرنا اور آبادیاں بسانا جب کہ ضررِ عام لاحق ہو، درست نہیں؛ خواہ حکومت کی طرف سے ممانعت ہو یا نہ ہو۔

۱۴- ہر شہری کو پانی کی فراہمی حکومت کی ذمہ داریوں میں سے ہے، وہ اس پر مناسب معاوضہ بھی لے سکتی ہے اور معاوضہ پر قدرت رکھنے والوں سے اجرت نہ ادا کرنے کی صورت میں پانی روک لینے کا حق رکھتی ہے۔

۱۵- پانی کی نکاسی کا نظام بنانا اور شہریوں کی صحت کا خیال رکھنا حکومت کی ذمہ داری ہے اور عوام کا فریضہ ہے کہ وہ حکومت کے اپنے نظام و قوانین کا لحاظ رکھیں۔

تجاویز بابت: مختلف النوع ملازمتیں

۱-الف: فوج کا بنیادی مقصد ملک کی سرحدوں کی حفاظت اور غیر معمولی حالات میں امن وامان کا قیام ہے، یہ دونوں مقاصد شریعت اسلامیہ میں بھی مطلوب ہیں، اس لئے مصلحت عامہ کے پیش نظر فوج کی ملازمت مسلمانوں کے لئے جائز ہے، البتہ حتی الامکان غیر شرعی اقدام سے احتراز ضروری ہے۔

ب: پولیس کا محکمہ بھی دراصل امن امان قائم کرنے اور شہریوں کی جان و مال کی حفاظت کے لئے ہوتا ہے، اس لئے اس کی بھی ملازمت جائز ہے لیکن یہ ضروری ہے کہ اپنے فرض کی انجام دہی کے لئے کسی طرح کا ظلم ستم وغیرہ نہ کیا جائے۔

ج: ملک کی سلامتی، امن و امان کے قیام اور جرائم کی روک تھام کے لئے انٹلی جنیس کی ملازمت درست ہے، البتہ ہر ایسے طریقۂ کار سے اجتناب لازم ہے جو غیر شرعی اور حقوق انسانی کے خلاف ہو۔

د: عدلیہ کا مقصد انصاف کی فراہمی اور ظلم و حق تلفی کی روک تھام ہے لہٰذا عدلیہ کی ملازمت درست ہے

ہ: حکومت کی طرف سے رعایا کی فلاح و بہبود کی غرض سے مختلف ٹیکس عائد کئے جاتے ہیں اور ان کے لئے محکمے و ادارے قائم ہیں ایسے اداروں کی ملازمت شرعی حدود کا لحاظ کرتے

ہوئے جائز ہے۔

۲-الف: بینک کا بنیادی کام سودی لین دین کا ہے اس لئے اصولی طور پر بینک یا کسی سودی کاروبار کے ادارے کی ملازمت جائز نہیں ہے۔

ب: بینک کی ایسی ملازمت جس کا تعلق براہ راست سودی معاملات (سود کے لکھنے اور لینے و دینے وغیرہ) سے نہ ہو ایسی ملازمت کی گنجائش ہے اور اس سے بھی بچنا بہتر ہے۔

ج: بینک کے لئے عمارت وغیرہ کا کرایہ پر دینا مکروہ ہے۔

د: انشورنس کمپنیاں عام طور سے سود و قمار کا کام کرتی ہیں لہٰذا ایسی کمپنیاں جن میں سود و قمار یا کسی ایک کا نظام ہو ان کی ملازمت جائز نہیں ہے۔

ہ: انشورنس کی وہ کمپنیاں جن کا نظام سود و قمار سے پاک ہو ان کی ملازمت درست ہے کہ جان و مال کی حفاظت اسلام کے مقاصد میں سے ہے۔

و: شراب سازی کے کام و کارخانہ میں کسی طرح کی بھی ملازمت ناجائز ہے۔

ز: ایسی اشیاء جن کا استعمال شراب سازی کے لئے کیا جا سکتا ہے ان کا شراب سازی کا کام کرنے والوں کے ہاتھوں فروخت کرنا اور ایسے کاموں کی ملازمت کی گنجائش ہے مگر اس سے بچنا بہتر ہے۔

۳-الف: ایسے سوپر مارکیٹ کی ملازمت جس میں شراب کے علاوہ اکثر جائز اشیاء فروخت ہوتی ہوں اور ملازمت کا تعلق براہ راست شراب سے نہ ہو تو ایسی ملازمت جائز ہے۔

ب: اسلامی نقطۂ نظر سے مخلوط تعلیمی نظام درست نہیں ہے؛ البتہ جہاں جداگانہ تعلیمی نظام کی سہولت نہ ہو وہاں ضرورۃً اس سے استفادہ کی گنجائش ہے اور مخلوط تعلیم گاہ نیز جہاں صنف مخالف کو تعلیم دینے کی نوبت آئے وہاں تدریسی ملازمت کی گنجائش ہے البتہ شرعی حدود و ہدایات کا لحاظ رکھنا ضروری ہے۔

ج: یہ سیمینار مسلمانوں سے اپیل کرتا ہے کہ وہ ایسے تعلیمی ادارے قائم کریں جو جداگانہ نظام پر مبنی ہوں اور ان میں شرعی حدود و احکام کی پوری رعایت ہو؛ نیز تعلیم و تربیت کے لحاظ سے بھی اعلیٰ معیار کو پورا کرتے ہوں تاکہ مسلمان طلبہ و طالبات ان مقاصد سے بچتے ہوئے تعلیم حاصل کر سکیں جو بتدریج عصری تعلیمی اداروں کا حصہ بنتے جا رہے ہیں۔

د: پیشہ وکالت فی نفسہ جائز ہے؛ البتہ غلط مقدمات کی پیروی اور صاحب حق کی حق تلفی کے لئے

وکالت اور کذب بیانی وغیرہ جائز نہیں ہے۔

ہ: طبابت (ڈاکٹری) انسانی خدمات اور آمدنی کا بہترین ذریعہ ہے، طبیب کا بطور ملازمت کسی ہوسپٹل میں اجرت پر کام کرنا اور علاج کرنا جائز ہے۔

و: بلا ضرورت کسی مریض کا ٹسٹ کرانا، آپریشن تجویز کرنا یا کسی دوا کا دینا محض اضافۂ آمدنی کے لئے جائز نہیں ہے، ایسا کرنا خیانت اور بددیانتی ہوگی اور اس طور پر حاصل کیا ہوا مال جائز نہیں ہوگا۔

۲- مرد مریض کے لئے مرد معالج اور خاتون مریض کے لئے خاتون معالج ہونا چاہئے؛ البتہ ضرورت کے موقع پر صنف مخالف کا علاج کیا جاسکتا ہے۔

۳- بلا ضرورت کسی کے جسم کے ایسے حصے پر نظر کرنا یا مس کرنا جو ستر میں داخل ہے، جائز نہیں؛ البتہ بوقت ضرورت معالج کے لئے مریض کے ایسے قابل ستر حصہ کو جس کا تعلق مرض سے ہے، بقدر ضرورت دیکھنا اور چھونا جائز ہے۔

۴- ہوٹل کی ملازمت فی نفسہٖ جائز ہے۔ ہوٹل میں قیام کرنے والے اشخاص کا اپنے طور پر اس میں محرمات کا استعمال ہوٹل مالک کے لئے حاصل ہونے والے کرایہ پر اثر انداز نہیں ہوگا اس کی اجرت اور کرایہ جائز ہے۔

۵- ہوٹل مالک یا اس کے کسی ملازم کے ذریعہ محرمات کی فراہمی تعاون علی الاثم براہ راست شمار ہوگی اور اس پر اجرت لینا جائز نہیں ہوگا۔

تجاویز بابت: تفریح و سیاحت-اس کے احکام وشرعی ضوابط

[۱] فلم سازی، کارٹون اور ڈرامہ

۱- غیر ذی روح اشیاء مثلاً تاریخی مقامات اور قدرتی مناظر کی عکس بندی جائز ہے۔

۲- تفریحی مقاصد کے لئے ذی روح کی عکس بندی جائز نہیں ہے۔

۳- تعلیمی، اصلاحی اور دعوتی مقاصد کے لئے عکس بندی اور اس سے استفادہ کی گنجائش ہے خواہ اس میں ضمناً ذی روح کا عکس آگیا ہو۔

۴- ایسی عکس بندی جس میں کسی عورت کی تصویر ہو یا انبیاء وصحابہ کی تمثیل ہو یا دیگر کوئی شرعی منکر ہو۔ بنانا اور ان کو دیکھنا جائز نہیں ہے۔

۵- ایسے کارٹون جن میں خدوخال واضح ہوں وہ تصویر میں شمار ہو کر ناجائز ہیں۔

۶- ایسے کارٹون بنانا جس سے کسی کی اہانت مقصود ہو جائز نہیں ہے، اگرچہ اس میں خدوخال واضح نہ ہوں۔

۷- ایسے کارٹون جو عریانیت پر مشتمل ہوں یا برائی کی ترغیب دے رہے ہوں وہ بھی جائز نہیں ہیں۔

۸- تربیتی مقصد سے بچوں کے لئے ایسے کارٹون بنانا جن میں خدوخال واضح نہ ہوں اور بچوں کے لئے نفسیاتی، اخلاقی اور لسانی نقطۂ نظر سے مفید ہوں جائز ہے۔

۹- کارٹون سازی کی جو شکلیں جائز ہیں ان کو ذریعہ آمدنی بنانے اور اس مقصد کے لئے ملازمت کرنے کی گنجائش ہے۔

۱۰- اچھے کاموں کی ترغیب اور معاشرہ کے مفاسد پر تنقید کے لئے مکالمات اسٹیج کئے جاسکتے ہیں بشرطیکہ اس میں موسیقی یا کسی کی کردارکشی یا مرد و زن کا اختلاط یا انبیاء و ملائکہ اور صحابہ کی تمثیل نہ ہو نیز غیر شرعی اور غیر اخلاقی امور سے پاک ہو۔

[۲] مزاح

الف- مزاح جائز ہے بشرطیکہ وہ جھوٹ، فحش نیز استہزاء وایذارسانی پر مشتمل نہ ہو۔

ب- ایسے مزاحیہ پروگرام یا مزاحیہ مشاعرے جن سے دینی یا دنیوی مصالح متاثر ہوں، جائز نہیں ہیں

ج- لطیفہ گوئی یا مزاح نویسی کو ذریعہ معاش بنالینا مناسب نہیں ہے۔

د- ایسے پروگرام جن کا مقصد صرف ہنسنا ہنسانا ہو شریعت کے مزاج کے خلاف ہیں؛ البتہ غرض علاج اس کی گنجائش ہے۔

[۳] سیاحت

الف- اسراف سے بچتے ہوئے تفریحی مقصد کے لئے ایک شہر سے دوسرے شہر اور ایک ملک سے دوسرے ملک کا سفر کرنا جائز ہے۔

ب- ایسے مقامات جہاں جان یا عزت وآبرو کا تحفظ خطرے میں ہو، وہاں نہ خود جانا درست ہے اور نہ اہل وعیال کو ساتھ لے جانا درست ہے۔

ج- تفریح کے لئے ایسی جگہوں میں جانا جہاں غیر شرعی امور کا غلبہ ہو جائز نہیں ہے اور ایسے مقامات پر جانے والوں کو سواری کرایے پر دینے یا اشیاء خورد و نوش فروخت کرنے کے لئے دکان لگانے کی گنجائش ہے۔

د- جائز مقاصد کے لئے ٹراویل کمپنیوں کا قیام درست ہے۔

و- سیاحت کا تعلق مذہبی، تہذیبی اور ثقافتی رشتوں کو مضبوط کرنے، اپنے گزرے ہوئے لوگوں کے کارناموں کو اجاگر کرنے اور مذہبی وقومی تاریخ سے روشناس کرانے سے ہے، اس لئے جو مسلمان اس پیشہ سے جڑے ہوئے ہیں، ان سے اپیل کی جاتی ہے کہ وہ مسلمانوں کے لئے اسلامی نقطۂ نظر سے ان مقاصد کو پورا کرنے والے پیکیج تیار کریں تاکہ مسلمان نوجوانوں کو بے راہ روی اور احساس کمتری سے بچایا جاسکے اور غیر مسلم بھائیوں کے سامنے بھی مسلمانوں کی صحیح تصویر آسکے۔

[۴] کھیل کود

الف- ایسے کھیل جو انسان کے وسیع تر مفاد میں ہوں، جن سے جسمانی قوت، چستی ونشاط کی بحالی میں مدد ملتی ہو جائز ہیں بشرطیکہ وہ منکرات سے خالی ہوں۔ دینی یا دنیوی حقوق وفرائض سے غفلت یا کسی بھی جاندار کی اذیت کا باعث نہ ہوں۔

ب- عام حالات میں شریعت نے مرد وعورت کی ستر پوشی کے لئے جو اصول مقرر کئے ہیں، کھلاڑیوں کے لئے بھی ان کی پابندی ضروری ہے۔

ج- جن کھیلوں کے بارے میں احادیث میں ترغیب آئی ہے وہ مستحب ہیں، ان کے علاوہ مروجہ کھیلوں میں جو مذکورہ بالا اصول کے مطابق ہوں وہ جائز ہیں۔

د- کھیل کی ہار جیت میں پیسے کی شرط اگر یک طرفہ ہو یا کسی تیسرے فریق کی جانب سے ہو تو جائز ہے اور اگر شرط جانبین سے ہو تو ناجائز ہے۔

ہ- وقت انسانی زندگی کا قیمتی سرمایہ ہے، لہٰذا از روئے شرع کوئی بھی ایسا کھیل کراہت سے خالی نہیں ہوگا، جو اپنے طریقے اور لباس کے اعتبار سے تو محرمات پر مشتمل نہ ہو لیکن اس میں کھیلنے یا دیکھنے والوں کا کافی وقت ضائع ہوتا ہو۔

و- جو کھیل جائز ہیں انہیں دیکھنے اور ان کے لئے ٹکٹ خریدنے کی گنجائش ہے۔

ز- جو لوگ کھیل میں شریک نہیں ہیں لیکن کسی فریق یا فرد کے جیتنے پر آپس میں پیسوں کی بازی لگائیں تو یہ بھی قمار میں داخل ہے اور حرام ہے۔

ح- کھیل کی ایک وقتی تفریح کی حد تک تو گنجائش ہے مگر اس کو زندگی کا مقصد بنا لینا جائز نہیں ہے

ط- تعلیم وکسب معاش کی جائز سرگرمیوں کو چھوڑ کر اپنے آپ کو کھیل کے لئے وقف کر دینا مناسب نہیں ہے۔ ☆

جامعہ کے لیل ونہار

عبدالرقیب فلاحی

الوداعی تقریب

۱۶؍جولائی کو ابواللیث ہال میں امسال فارغ ہونے والے طلبہ کو جامعہ کی جانب سے الوداعی پارٹی دی گئی، جس میں ناظم جامعہ، بعض اراکین شوریٰ، اساتذہ کرام اور کارکنان نے شرکت کی۔ نظامت کے فرائض جناب مولانا مطیع اللہ صاحب فلاحی مدنی نے انجام دئے۔ فارغ ہونے والے طلبہ نے اپنا اپنا مختصر تعارف کرایا اور اپنے احساسات وتأثرات کو الفاظ کا جامہ پہنایا۔ انھوں نے مادر علمی کی اہم ترین خوبیوں کا تذکرہ کرتے ہوئے نظام جامعہ میں اصلاح طلب بعض امور کی جانب توجہ مبذول کرائی۔

استاذ محترم جناب مولانا نعیم الدین صاحب اصلاحی نے شکر وصبر کی اہمیت وضرورت پر روشنی ڈالی اور فرمایا کہ ایمان اور اعمال صالحہ کا اصل بیج شکر ہی ہے اور دنیوی واخروی کامیابی کا اصل جوہر صبر ہے، دستار فضیلت کے ساتھ شکر وصبر پر جمئے، اپنے والدین کے ساتھ، اساتذہ کے ساتھ، اللہ کے ساتھ، دین کے ساتھ شکر یعنی احسان شناسی کیجئے اور عملی زندگی میں پیش آنے والی مصیبتوں پر صبر سے مدد لیجئے۔

مولانا اعجاز احمد صاحب نے طلبہ کو نصیحت کرتے ہوئے فرمایا: تفقہ فی الدین کے بعد اپنی قوم کو ڈرانا اور اس کے درمیان اسلام کی صحیح اور عملی ترجمانی کرنا آپ لوگوں کی اہم ترین ذمہ داری ہے، پریشانیوں کا مقابلہ کرنے کے لئے اقبال کا یہ شعر یاد رکھئے۔

خودی میں ڈوب کر ضرب کلیم پیدا کر

متنبی کے اس شعر کو بھی ہمیشہ سامنے رکھئے:

ألا من جهلت نفسه قدره ☆ يرى منه غيره ما لا يرى

صدر شعبۂ اعلیٰ جناب مولانا محمد عمران فلاحی صاحب نے تقریب کی اصل روح پر روشنی ڈالی اور فارغین کو علوم دینیہ کی تحصیل پر مبارکباد پیش کی اور ذکر الٰہی اور تعلیم وتدریس سے ہمہ آن

جڑے رہنے کی تلقین فرمائی۔

رکن شوریٰ ڈاکٹر ابرار صاحب اعظمی نے طلبہ کے احساسات وتاثرات پیش کرنے کے انداز اور ان کی برملا تنقیدوں پر بے پناہ خوشی ومسرت کا اظہار کیا اور فرمایا: جاؤ، دنیا میں اور سیکھو البتہ جب سیکھنے لگنا تو دیدہ شمہ کو رنگین مت کرنا، ایک ہی رنگ اختیار کرنا یعنی صبغۃ اللہ کو۔

ناظم جامعہ نے فرمایا: آج کی یہ نشست تاریخی نشست ہے، یہ غم کا نہیں بلکہ خوشی کا موقع ہے، ہم اسی لئے تو محنت کرتے ہیں کہ آپ آئیں، سیکھیں اور جائیں اور دنیا کو فائدہ پہنچائیں۔

آخر میں فارغ ہونے والے طلبہ کو قرآن مجید اور یادگار مجلہ (قرآن مجید نمبر) کا ایک ایک سیٹ عطا کیا گیا اور ناظم جامعہ کی دعا پر تقریب کا اختتام ہوا۔

استقبالیہ

حسب روایت انجمن طلبہ قدیم (فلاح یونٹ) کی جانب سے ۱۷/۷/۲۰۱۱ء کو امسال فضیلت سے فارغ ہونے والے طلبہ کو استقبالیہ پیش کیا گیا، پروگرام کا آغاز عزیزم اسامہ رحمانی کی تلاوت قرآن پاک سے ہوا، سابق صدر انجمن طلبہ قدیم جناب مولانا رحمت اللہ اثری صاحب نے فارغین کا استقبال کرتے ہوئے ان کے سامنے انجمن طلبہ قدیم کا تعارف پیش کیا، آپ نے فرمایا: مقاصد جامعہ کے حصول کے لئے فارغین جامعہ کو منظم کرنے کا نام انجمن ہے۔ آپ نے فارغین کو انجمن سے جڑ کر مادر علمی کی خدمت اور اس کو فائدہ پہنچانے کی ترغیب دلائی۔ آخر میں مختصر ناشتے پر اس مجلس کا اختتام ہوا۔

جامعہ کا تعلیمی کلینڈر بابت تعلیمی سال ۱۲-۲۰۱۱ء

آغاز تعلیمی سال	:	۱۰؍شوال ۱۴۳۲ھ مطابق ۱۰؍ستمبر ۲۰۱۱ء بروز شنبہ
ضمنی امتحانات	:	۱۱؍ستمبر بروز اتوار تا ۱۸؍ستمبر بروز اتوار
I داخلہ ٹیسٹ	:	۱۲؍ستمبر بروز دوشنبہ
II " "	:	۱۵؍ستمبر بروز پنجشنبہ
تجدید داخلہ	:	۱۷؍ستمبر ۲۰۱۱ء بروز شنبہ تک
تعلیم کا آغاز	:	۱۹؍ستمبر ۲۰۱۱ء بروز دوشنبہ
تعطیل عید الاضحیٰ	:	۹ تا ۱۴؍ذی الحجہ ۱۴۳۲ھ
سہ ماہی امتحانات	:	از یکم دسمبر تا ۸؍دسمبر ۲۰۱۱ء

تعطیل سرما	:	۳۰؍دسمبر ۲۰۱۱ء تا ۲۰؍جنوری ۲۰۱۲ء بروز جمعہ
ششماہی امتحانات	:	۵؍مارچ بروز دوشنبہ تا ۱۲؍مارچ بروز دوشنبہ ۲۰۱۲ء
تعلیم کا آخری دن	:	۱۴؍جون بروز پنجشنبہ ۲۰۱۲ء
سالانہ امتحانات	:	۱۸؍جون بروز دوشنبہ تا ۷؍جولائی بروز یکشنبہ ۲۰۱۲ء
اعلان نتائج جملہ شعبہ جات	:	۱۵؍جولائی بروز دوشنبہ ۲۰۱۲ء
آغاز تعطیل کلاں	:	۱۶؍جولائی بروز سہ شنبہ مطابق ۲۴؍شعبان ۱۴۳۳ھ

استاذ جامعہ جناب مولانا شاہ عالم صاحب فلاحی کو صدمہ

یہ خبر جملہ وابستگان جامعہ کے لئے بے حد باعث رنج وغم ہوگی کہ جامعہ کے ہر دلعزیز استاذ جناب مولانا شاہ عالم صاحب فلاحی اور جناب محمد آصف فلاحی علیگ کی والدہ محترمہ ۲۱؍مئی کو ایک طویل علالت کے بعد اس دار فانی سے کوچ کر گئیں، موصوفہ صوم وصلوٰۃ کی پابند تھیں اور جامعہ سے کافی ہمدردی رکھتی تھیں۔ نماز جنازہ ناظم جامعہ مولانا محمد طاہر مدنی صاحب نے پڑھائی اور سیکڑوں سوگواروں کی موجودگی میں علاء الدین پٹی کی قبرستان میں ان کی تدفین عمل میں آئی۔ اللہ تعالیٰ مرحومہ کی بال بال مغفرت فرمائے اور انھیں جنت الفردوس میں جگہ عطا فرمائے اور ان کے پسماندگان کو صبر جمیل کی توفیق بخشے۔

کلیۃ البنات کے شب و روز

تعزیتی نشستوں کا انعقاد

سال رواں ۱۱-۲۰۱۰ء میں اہل جامعہ کو مختلف افراد کی وفات کے اندوہناک سانحوں سے دوچار ہونا پڑا، جامعہ کے متعلقین و منتظمین کو جب بھی کوئی صدمہ پہنچا اور ان کے کسی عزیز وقریب کا انتقال ہوا تو کلیۃ البنات میں اس صدمے کو محسوس کیا گیا اور ہر سانحہ ارتحال پر تعزیتی پروگرام کا انعقاد ہوا، جس میں مرحومین کے اوصاف حسنہ اور خصائل حمیدہ پر مفصل روشنی ڈالی گئی اور اللہ تعالیٰ سے ان کی لغزشوں کو معاف کرنے اور اپنے جوار رحمت میں جگہ دینے کی دعا کی گئی۔ کل سات تعزیتی نشستیں منعقد ہوئیں۔

۱- مولانا محمد عمران فلاحی صاحب صدر مدرس جامعۃ الفلاح کی والدہ محترمہ کے سانحہ ارتحال پر
۲- محترمہ شمسیہ صاحبہ معلمہ کلیۃ البنات کی والدہ کی وفات پر۔
۳- جامعہ کی مجلس شوریٰ کے قدیم واساسی رکن اور جامعہ کے ایک عظیم محسن جناب حاجی امانت اللہ صاحب کے انتقال پر۔

۴- جامعہ کو اپنے حقیقی خون و پسینہ سے آبیاری کرنے والے جناب مولانا شبیر احمد اصلاحی کی اشکبار کردینے والی موت پر۔
۵- ناظم جامعہ جناب مولانا محمد طاہر مدنی صاحب کی والدہ کے افسوسناک حادثہ موت پر۔
۶- جناب مولانا محمد عیسیٰ صاحب سابق ناظم جامعہ اور رکن مجلس شوریٰ کی اہلیہ کی وفات پر۔
۷- مہتمم تعلیم و تربیت جناب مولانا سلامت اللہ اصلاحی صاحب کی اہلیہ کے سانحہ ارتحال پر۔

اللہ تعالیٰ سے دعا ہے کہ وہ ان مرحومین کی بال بال مغفرت فرمائے، ان کی غلطیوں سے پردہ پوشی کرے اور اپنے جوار رحمت میں انھیں جگہ دے اور ان کے متعلقین اور پسماندگان کو صبر جمیل کی توفیق بخشے۔ آمین

ڈاکٹر جاسر عودہ کی آمد

۲۰/۷/۲۰۱۱ء کو ڈاکٹر جاسر عودہ صاحب کلیۃ البنات تشریف لائے اور طالبات و معلمات کو خطاب کیا۔ آپ نے عصر حاضر کے پیچیدہ مسائل کی جانب ان کی توجہ مبذول کرائی اور خصوصاً مسلم سماج کے مسائل پر سنجیدگی سے غور کرنے اور ان کے حل کے لیے عورتوں کے رول پر مفصل روشنی ڈالی۔

روداد انجمن

بلریاگنج یونٹ

الحمد للہ بلریاگنج یونٹ کی جانب سے ۱۵ رمضان المبارک کو بروز جمعہ اسلامک سنٹر جامعۃ الفلاح میں ایک افطار پارٹی کا نظم کیا گیا جس میں تقریباً ستر فلاحیوں نے شرکت فرمائی۔ اور ۵ ستمبر بروز شنبہ بعد نماز مغرب اسلامک سنٹر میں ہی عید ملن کا پروگرام رکھا گیا۔ نظامت کے فرائض جناب امتیاز احمد فلاحی صاحب نے انجام دے اور صدارتی خطبہ جناب محمد افضل صاحب (صدر یونٹ بلریاگنج) نے پیش کیا۔

مہمان خصوصی جناب ڈاکٹر محی الدین غازی فلاحی تھے، مقررین نے اسلام کے بنیادی پیغام مساوات اور انسانیت کو سماج میں عملی طور پر پیش کرنے کی تلقین کی۔

سکریٹری انجمن یونٹ بلریاگنج
امتیاز احمد فلاحی

ادارہ علمیہ، جامعۃ الفلاح کی مطبوعات

Rs. 15.00 | Rs. 100.00 | Rs. 40.00 | Rs. 75.00

Rs. 45.00 | Rs. 100.00 | Rs. 80.00 | Rs. 70.00

Rs. 120.00 | Rs. 100.00 | Rs. 100.00 | Rs. 45.00

IDARA-E-ILMIA, JAMIATUL FALAH
BILARYA GANJ, AZAMGARH, (U.P) -276121 INDIA